جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ
مظاہر علوم
سہارنپور

جلد ۲۵ | شوال ۱۴۴۰ھ / جون ۲۰۱۹ء | شمارہ نمبر ۳
نمبر ۲۵ | | نمبر ۳

سرپرست
حضرت الحاج مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ

مدیر مسئول
حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

نگران
حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر تحریر
مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مجلس ادارت
- مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید صاحب اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد صاحب بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد صاحب سہارنپوری

زرتعاون
- فی شمارہ ——— ۱۵/روپئے
- سالانہ زرتعاون ——— ۱۵۰ روپئے
- بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

رمضان کی مبارک ساعتوں کے بعد

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

جس ماہ مبارک کی نسبت اللہ رب العزت کی جانب ہے **(شعبان شہری و رمضان شہر اللہ)** اس کی برکت اور سعادت کے بارے میں کیا کوئی کلام ہوسکتا ہے؟، ماہ رمضان المبارک ابھی ہم پر سایہ فگن تھا، اللہ جل جلالہ کی خاص رحمتوں سے ہم بہرہ ور ہورہے تھے، مغفرت کی خوشگوار پھوار سے گناہ ومعصیت کے بدنما داغ دُھل رہے تھے، دوزخ سے چھٹکارے کی نوید مل رہی تھی، ہر طرف ایک ایمان افروز منظر، روحانی عروج وارتقاء کے ذرائع موجود، سحری کی روح پرور گھڑیاں، افطار کی روح افزا ساعتیں، دن میں ذکر واذکار اور رات میں تراویح وقیام لیل کا خصوصی اہتمام، اللہ رب العزت کی جانب سے ہمیں حکم ہوا کہ رات کے اندھیرے میں اٹھ کر کھاؤ اور سحری کرو، تو ہم نے اس پر عمل کیا، دن بھر گرمی برداشت کرتے ہوئے کچھ بھی کھانا پینا نہیں ہے، ہم نے اس پر عمل کیا، دنیا کی تمام مرغوبات سے کنارہ کشی اختیار کرو، ہم نے کرلی، لغویات سے، جھوٹ سے، چغلی اور غیبت سے، دوسروں کی ایذارسانی سے، گالی گلوچ سے، فحش کلامی سے خود کو دور رکھنا ہے، ہم نے مان لیا، رات میں مزید نمازوں کا اہتمام کرتے ہوئے تراویح کا اہتمام بھی کرنا ہے، ہم نے ایسا ہی کیا، توفیق ملی تو مزید نمازوں کا اہتمام کرتے ہوئے تہجد کا بھی اہتمام کیا، آخری عشرہ میں اعتکاف، شب قدر کی تلاش، اللہ کی رحمت اور مغفرت اور نار جہنم سے بچنے کے لیے جدوجہد، اپنے مال ودولت کو پاک وصاف کرنے کے لئے زکوٰۃ کا اہتمام، تمام تر نعمتوں اور مرغوبات کی فراوانی کے باوجود

اپنی نفسانی خواہشات پر قابو، جھوٹ اور لغو باتوں سے پرہیز یہ تمام امور گویا ایک مہینہ تک ہمارے معمولاتِ زندگی بن گئے تھے اور ایسا اس لئے ہوا تھا کہ ہمیں اس بات کا احساس تھا کہ ایسا کرنے کے لئے ، ایسا ماحول بنانے کے لئے ،تقوی اور پرہیز گاری کی زندگی گذارنے کے لئے ہمارے خالق و مالک اللہ رب العزت نے ہمیں حکم دیا ہے، وہ کریم ذات ہم سے انھیں اعمال کا مطالبہ کرتی ہے، اسی لئے ہم نے رمضان المبارک میں ہر وہ کام کیا جس کا ہمارے کریم آقا نے حکم دیا اور ہر اس کام سے بچنے کی کوشش کی جس سے روکا، تا کہ ہمارے اندر روزے کی روح ''تقوی'' پیدا ہوجائے ، اور ہم پھر پورے سال اسی پرہیز گاری کے خوگر اور عادی بن کر قرب الٰہی حاصل کرتے رہیں، کہ یہی مقصود فطرت ہے، رمضان المبارک کے ان اعمال سے گویا ہم سے گندگی دور کردی گئی، اب جب کہ ایک طرح سے ہماری روح پاک ہو چکی، اب جب کہ ایک طرح سے ہمارا نفس ہمارے قابو میں آچکا اور اب نیکیوں پر عمل آسان ہو چکا ہے، ایسے میں روح کو پھر سے ناپاک بنا دینا، نفس مطمئنہ کو نفس امارہ میں تبدیل کر دینا اور نیکیوں کو برائیوں سے بدل لینا، کیا کوئی دانشمندی کی بات کہلائے گی؟ نہیں کبھی نہیں۔

اب رمضان کی مبارک ساعتوں میں احکام خداوندی کی پاس داری کا صلہ ملنے والا ہے ،انعامات خداوندی کی بارش ہونے والی ہے، یعنی ''عید الفطر'' (انعامات خداوندی کا دن) آچکا ہے ،اللہ تعالیٰ ہم سب کو ''رمضان'' کی مغفرت اور ''عید'' کی خوشیاں عطاء فرمائے'' تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكُم

''عید'' دنیا کی دوسری اقوام سے الگ ایک ممتاز خوشی کا دن ہے، اس دن دنیا کی اور اقوام کی طرح صرف رنگینیٔ محفل کے لئے مسلمان مامور نہیں ہیں، اُن کو رمضان المبارک کی محنت کا اجر جھولیاں بھر بھر کر دیا جاتا ہے، ان کی ہر دعاء قبول کی جاتی ہے، اُن کے مسائل حل کئے جاتے ہیں، یہ بڑا خاص موقع ہوتا ہے، مگر ہم میں سے اکثر کو اس کا احساس نہیں، اور بہت سوں کو اس کا علم نہیں، وہ اپنا بہت سا وقت اپنی بناوٹ سجاوٹ پر ضائع کرتے ہیں، اس دن تو اللہ کے خصوصی فضل و انعام کی بارش ہوتی ہے، خوشی و مسرت کے اس حسین

موقع کو مذہب اور اطاعت خداوندی کے ساتھ ساتھ ایثار و ہمدردی اور انسانیت نوازی سے ایسا مربوط کر دیا گیا ہے کہ اس کی ایک امتیازی شان اور منفرد حیثیت بن گئی ہے۔

دنیا کی سبھی قومیں جشن اور خوشی کے لیے کچھ ایام مقرر کر لیتی ہیں، ان ایام میں رنگ و نور کی محفلیں سجاتی ہیں، عیش و نشاط کے نغمے گنگناتی ہیں، مذہب اسلام نے بھی اس انسانی فطرت کو ملحوظ رکھا ہے اور سال میں دو دن جشن اور خوشی کے لیے متعین فرما دیئے ہیں، لیکن یہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ محض جشن اور خوشی کی نذر نہ ہو جائیں، اسلام نے اس کا بھی حکم دیا ہے، اللہ و رسول اور اپنے مذہب اسلام کا پاس و لحاظ ہو، یہ جشن اور خوشی کا دن در اصل اللہ رب العزت کی طرف سے انعام ہے ان روزہ داروں کے لیے جنھوں نے پورے مہینہ محض رضائے الٰہی کے لیے کھانے پینے اور تمام نفسانی خواہشات سے دن میں خود کو دور رکھا اور تقویٰ اور طہارت کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتے رہے، آج یوم الفطر ہے، انعام ہے انھیں روزہ داروں کے لیے، آج کا دن صرف رنگ و نور کی محفلیں سجانے کا نہیں ہے بلکہ عبادت بھی ہوگی، نماز دوگانہ بھی ادا کی جائے گی اور ہاں یہ خوشی صرف تمہارے لیے نہیں ہے بلکہ تمہارے نادار، غریب و مفلس پڑوسیوں، ہمسایوں اور تمہارے ماتحت رہنے والے تمام لوگوں کے لیے ہے اس لیے ان کا بھی خیال ہو، عید گاہ جانے سے پہلے ان کا حصہ، صدقۂ فطر کے عنوان سے اپنی طرف سے، بال بچوں کی طرف سے ضرور نکالیں تا کہ ایک مزدور، غریب، مفلس، بیوہ اور یتیم کی بھی عید ہو سکے اور ان کے ہونٹوں پر بھی تبسم کی کلیاں کھل سکیں۔

رمضان کی مبارک ساعتیں گذارنے کے بعد اور عید الفطر کے تقاضے پورے کر کے رمضان کے روزوں کی روح اور مقصد ''تقوی'' حاصل ہوتا ہے، تقوی یعنی پرہیز گاری ایک ایسی صفت ہے جو جو ہر مسلمان سے زندگی کے ہر لمحہ، ہر ساعت میں مقصود و مطلوب ہے، تقوی کسی وقتی کیفیت اور موسمی چیز کا نام نہیں ہے بلکہ خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی پوری زندگی شریعت کا مطلوب اور انسانیت کا کمال ہے، رمضان المبارک میں ایک مہینہ گناہوں سے

اجتناب اور معاصی سے پرہیز کی جو عادت بنی اس میں استمرار اور دوام ہونا چاہئے، عبادات و طاعات کا جو اہتمام و التزام رمضان میں تھا اس میں یک گونہ اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ پورا سال گدرنا چاہئے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بعد شوال کے چھ روزوں کا حکم دیا ہے:

عن أبی ایوب الانصاری أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من صام رمضان ثم أتبعه ستاً من شوال کان کصیام الدھر (مسلم ۱/۳۶۹) حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کے پورے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ نفلی روزے رکھے تو اسے پورے سال کے نفلی روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔

اس حدیث کی تشریح حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ نے اس طرح فرمائی ہے کہ ''ہر عمل کا ثواب کم از کم دس گنا مقرر کیا گیا ہے، جب کسی نے رمضان کے تیس اور شوال کے چھ روزے رکھ لئے تو کل چھتیس روزے ہوئے جن کو دس سے ضرب دینے سے تین سو ساٹھ ہوجاتے ہیں، قمری حساب سے پورے سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، اس طرح پورے سال کا روزہ ہوجائے گا''۔

رمضان کے ان چھ نفلی روزوں کا مقصد و منشاء یہی ہے کہ رمضان کے روزوں سے جو صفت تقوی پیدا ہوئی ہے اس میں استمرار اور دوام رہے، پرہیز گاری کے ساتھ، معصیت سے اجتناب کے ساتھ مسلمان کی زندگی کا ہر لمحہ گذرے۔

اللہ اللہ! حق تعالیٰ کتنا کریم ہے اس نے اپنے بندوں کی کوتاہیوں کو درگذر کرنے کے کتنے بہانے مہیا کردیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ رمضان کی برکتوں سے تمام مسلمانوں کو بہرہ ور فرمائیں، اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق بخشیں۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

درسِ قرآن

کیا تم دیکھتے نہیں!

مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ★ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ★ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ★ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ★ (الذاریات)

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے واسطے اور خود تمہارے اندر، سو کیا تم کو سوجھتا نہیں، اور آسمانوں میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا، سو قسم ہے ربِّ آسمان وزمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔

خلاصہ:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ (یعنی زمین میں بہت نشانیاں قدرت کی ہیں، یقین کرنے والوں کے لیے) پچھلی آیات میں اول کفار ومنکرین کا حال اور انجام بد بتلایا گیا ہے پھر مؤمنین متقین کے حالات وصفات اور ان کے درجات عالیہ کا ذکر فرمایا، اب پھر کفار ومنکرین قیامت کے حال کی طرف غور اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ان کے پیش نظر کر کے انکار سے باز آ جانے کی ہدایت ہے۔

تفسیر مظہری میں اس کو بھی مؤمنین متقین ہی کی صفات میں داخل کیا ہے، اور مؤقنین سے مراد وہی متقین ہیں، اور اس میں ان کا یہ حال بتلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات قدرت جو زمین وآسمان میں پھیلی ہوئی ہیں ان میں غور وفکر اور تدبر سے کام لیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ان کا ایمان وایقان بڑھتا ہے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ان کے بارے میں ارشاد ہے: (وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ)۔

اور زمین میں جن آیات قدرت کا ذکر فرمایا ہے وہ بے شمار ہیں، زمین میں نباتات اور اشجار و باغات ہی کو دیکھو ان کے اقسام وانواع ان کے رنگ و بو ایک ایک پتہ کی تخلیق میں کمال حسن، پھر ان میں سے ہر ایک کے خواص وآثار میں اختلاف کی ہزاروں قسمیں، اسی طرح زمین میں نہریں، کنویں اور پانی کے دوسرے مرکز اور ان سے تیار ہونے والی لاکھوں انواع مخلوقات، زمین کے پہاڑ اور غار، زمین میں پیدا ہونے والے حیوانات اور ان کی ان گنت اقسام وانواع، ہر ایک کے حالات اور منافع مختلف، زمین میں پیدا ہونے والے انسانوں کے حالات، مختلف قبائل اور مختلف خطوں کے انسانوں میں رنگ اور زبان کا امتیاز، اخلاق و عادات کا اختلاف وغیرہ جن میں آدمی غور کرے، تو ایک ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے اتنے مظاہر پائے گا کہ شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ: اس آیت میں خود انسان کی ذات کی طرف توجہ دلائی کہ زمین اور زمین کی مخلوقات کو بھی چھوڑ و، خود اپنے وجود اپنے جسم اور اس کے اعضاء و جوارح ہی میں غور کرلو تو ایک ایک عضو کو حکمت حق تعالیٰ کا ایک دفتر پاؤ گے اور سمجھ لو گے کہ سارے عالم میں جو آیات قدرت حق تعالیٰ کی ہیں انسان کے اپنے چھوٹے سے وجود میں وہ سب گویا سمٹ آئی ہیں، اسی لیے انسان کے وجود کو عالم اصغر کہا جاتا ہے کہ سارے عالم دنیا کی مثالیں انسان کے وجود میں موجود ہیں، انسان اگر اپنی ابتداء پیدائش سے لے کر موت تک کے پیش آنے والے حالات میں ہی غور و تدبر کرنے لگے تو اس کو حق تعالیٰ گویا اپنے سامنے نظر آنے لگیں، کہ کس طرح ایک انسانی نطفہ دنیا کے مختلف خطوں کی غذاؤں اور دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء لطیفہ کا خلاصہ بن کر رحم میں قرار پایا، پھر کس طرح سے ایک منجمد خون، علقہ بنا، پھر علقہ سے مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) بنا، پھر کس طرح اس میں ہڈیاں بنائی گئیں پھر ان پر گوشت چڑھایا گیا، پھر کس طرح اس بے جان پتلے میں جان ڈالی گئی، اور

اس کی تخلیق کی تکمیل کر کے اس دنیا میں لایا گیا، پھر کس طرح تدریجی ترقی کر کے ایک بے علم بے شعور بچے سے ایک دانشمند فعال انسان بنایا گیا اور کس طرح ان کی صورتیں اور شکلیں مختلف بنائی گئیں کہ اربوں انسانوں میں ایک کا چہرہ دوسرے سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے اس چندانچ کے رقبہ میں ایسے امتیازات رکھنا کس کے بس کی بات ہے پھران کی طبائع اور مزاجوں میں اختلاف اور اس اختلاف کے باوجود ایک وحدت یہ سب اس قدرت کاملہ کی کرشمہ سازی ہے جو بے مثل و بے مثال ہے، **فتبارک اللہ احسن الخالقین۔**

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا ہر انسان کہیں باہر اور دور نہیں، خود اپنے ہی وجود میں دن رات مشاہدہ کرتا ہے اس کے باوجود بھی اگر وہ اللہ جل شانہ اور اس کی قدرت کاملہ کا اعتراف نہ کرے تو کوئی اندھا ہی ہوسکتا ہے جس کو کچھ نہ سوجھے، اسی لیے آخر میں فرمایا: **اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ** ''یعنی کیا تم دیکھتے نہیں'' اشارہ اس طرف ہے کہ اس میں کچھ زیادہ عقل وسمجھ کا بھی کام نہیں، بینائی ہی درست ہوتو اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

وَفِیْ السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَاتُوْعَدُوْنَ (آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) یعنی آسمان میں ہونے سے مراد آسمان میں لوح محفوظ کے اندر لکھا ہونا مراد ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ہر انسان کا رزق اور جو کچھ اس سے وعدے کئے گئے اور اس کا جو کچھ انجام ہونا ہے وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

حدیث میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے مقررہ رزق سے بچنے اور بھاگنے کی بھی کوشش کرے تو رزق اس کے پیچھے پیچھے بھاگے گا جیسے موت سے انسان بھاگ نہیں سکتا ایسے ہی رزق سے بھی فرار ممکن نہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ رزق سے مراد بارش ہے، اس صورت میں اس کا

آسمان میں ہونا بایں صورت ہوگا کہ آسمان سے مراد یہاں سموات نہ ہوں بلکہ مافوق مراد ہو، جس میں فضائے آسمانی بھی داخل ہے تو بارش جو بادلوں سے برستی ہے اس کو بھی فی السماء کہا جاسکتا ہے، اور ما توعدون سے مراد جنت اور اس کی نعمتیں ہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (یعنی جس طرح تمہیں اپنے اپنے کلام کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا آنا بھی ایسا ہی واضح ہے اور کھلا ہوا ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، انسان کے محسوسات جو دیکھنے سننے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے سے متعلق ہیں ان سب میں سے اس جگہ نطق یعنی بولنے کا خاص طور سے انتخاب شاید اس لیے کیا کہ مذکورہ سب محسوسات میں کبھی کبھی کسی مرض وغیرہ کے سبب سے التباس ہوجاتا ہے، دیکھنے سننے میں فرق ہوجانا معروف ہے، بیماری میں ذائقہ بعض اوقات خراب ہوکر میٹھے کو کڑوا بتلانے لگتا ہے مگر نطق وگویائی ایسی چیز ہے کہ اس میں کسی دھوکہ اور تلبیس کا شائبہ نہیں ہوسکتا۔ (قرطبی) (ماخوذ از معارف القرآن)

اذان کی آواز سن کر حضور ﷺ کی حالت

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ:

سرکار دوعالم ﷺ گھر کے باہر جو ارشادات فرماتے اور گھر کے باہر جیسی زندگی گذارتے، وہ تو ہم سب کو پتا ہے لیکن یہ بتائیے کہ گھر میں کیا عمل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب آپ گھر تشریف لاتے ہیں تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں اور ہمارا دکھ درد بھی سنتے ہیں، خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے ہیں، گھلے ملے رہتے ہیں، البتہ ایک بات ہے کہ جب اذان کی آواز کان میں پڑتی ہے تو اس طرح اٹھ کر چلے جاتے ہیں جیسے ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔

انوارِ حدیث

بدنیتی کا وبال

مولانا محمد شاکر عمیر معروفی

استاد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور، اعظم گڑھ

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ انه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان اللہ تعالیٰ إذا کان یوم القیامة ینزل إلی العباد لیقضی بینهم وکل أمة جاثیة فأول من یدعو به رجلٌ جمع القرآن ورجل قتل فی سبیل اللہ ورجل کثیر المال فیقول اللہ للقارئ ألم أعلمک ما أنزلت علی رسولی؟ قال: بلی یا رب قال: فماذا عملت فیما علمت؟ قال! کنت أقوم به آناء الیل وآناء النهار، فیقول اللہ له کذبت وتقول الملائکة له کذبت، ویقول اللہ بل أردت أن یقال فلان قارئ فقد قیل ذلک ویوتی بصاحب المال فیقول اللہ لہ ألم أوسع علیک حتی لم أدعک تحتاج إلی أحد؟ قال: بلی یا رب قال فماذا عملت فیما آتیتک؟ قال کنت أصل الرحم وأتصدق، فیقول اللہ له: کذبت، وتقول الملائکة کذبت، ویقول اللہ بل أردت أن یقال فلان جواد فقد قیل ذلک ویوتی بالذی قتل فی سبیل اللہ فیقول اللہ لہ فیما ذا قتلت؟ فیقول أمرت بالجهاد فی سبیلک فقاتلت حتی قتلت، فیقول اللہ تعالی له کذبت، وتقول له الملائکة کذبت ویقول اللہ: بل أردت أن یقال فلان جرئ فقد قیل ذاک ثم ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی رکبتی فقال: یا أبا هریرة أولئک الثلاثة أول خلق اللہ تسعر بهم النار یوم القیامة (واللفظ للترمذی: ۲/۶۱)

شفی ابن ماتع اصبحی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے دیکھا کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر ایک شخص کے ارد گرد کثیر تعداد میں لوگ جمع ہیں پوچھا کہ لوگوں نے کس شخص کو گھیر رکھا ہے؟ جواب ملا کہ حضرت ابوہریرہؓ درس حدیث دے رہے ہیں، شفی ابن

ماتع کہتے ہیں کہ میں بالکل قریب ان کے سامنے جا بیٹھا، جب درس ختم ہوا اور لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے وہ حدیث سنائیں، جو آپ نے آنحضور صلی اللہ سے خود سنی اور یاد کی ہو، حضرت ابوہریرہؓ بولے کہ میں آپ کو وہی حدیث سناؤں گا جو میں نے اس گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود ہی سنی تھی، اس وقت میرے اور آپ کے سواء کوئی اور شخص نہ تھا، یہ کہہ کر حضرت ابوہریرہؓ بے ہوش ہو گئے کافی دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو فرمانے لگے کہ میں تم کو وہی حدیث سناؤں گا جسے میں نے اس گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا تھا، اور اس وقت میرے اور آپ کے سواء اور کوئی شخص نہ تھا، یہ کہہ کر پھر بے ہوش ہو گئے۔ کافی دیر کے بعد ہوش میں آئے تو فرمانے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے پاس آئے گا تا کہ ان کا فیصلہ کر دے، اور ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوگی، سب سے پہلے ان تین اشخاص کو بلایا جائے گا، قاری قرآن کو، مقتول فی سبیل اللہ کو، اور مالدار کو، اللہ قاری سے پوچھے گا کہ میں نے جو قرآن اپنے رسول پر اتارا تھا کیا تجھے اس کا علم نہیں سکھایا؟ قاری کہے گا ہاں ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ قاری جواب دے گا کہ میں دن ورات تلاوت کرتا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی یہی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس لیے تلاوت کرتا تھا کہ تجھے قاری کہا جانے لگے، سو دنیا میں کہا جا چکا، پھر مالدار کو پیش کیا جائے گا اور سوال ہوگا کہ کیا تم کو اتنی وسعت مال نہ دی گئی کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا مالدار اس کا اعتراف کرلے گا، اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ جو مال میں نے تجھے دیا تھا اس سے کیا کام کیا اس میں کیسا تصرف کیا؟ مالدار کہے گا اے پروردگار میں صلہ رحمی کرتا اور صدقہ دیتا رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو، فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تمہیں سخی کہا جائے چنانچہ یہ دنیا میں کہا

جا چکا، پھر مقتول فی سبیل اللہ کو پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ پوچھے گا تم کیوں قتل ہوئے بندہ جواب دے گا، کہ مجھ کو جہاد کا حکم دیا گیا، پس میں دین کے دشمنوں سے لڑ کر شہید ہو گیا۔ اللہ تعالی کہے گا تو جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرا ارادہ یہ تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے اور وہ کہا جا چکا۔ حضرت ابوہریرۃ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرما کر میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابوہریرہ ؓ یہی وہ تین قسم کے افراد ہیں جن کو قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم کی آگ جلائے گی۔ نعوذ باللہ منہ۔

معلوم یہ ہوا کہ بدنیتی کا اثر پوری کاوش کو ملیا میٹ کر دیتا ہے، افسوس بعض ان لوگوں پر ہے جو علم دین حاصل کرتے ہیں تا کہ کوئی نوکری وغیرہ مل جائے یا دنیاوی عزت وشہرت کی خاطر اپنے مالوں کو بکثرت بے موقع اور بے محل خرچ کر دیتے ہیں، یا کسی کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ریاء کار کی کچھ علامتیں بتلائی ہیں جس کو امام غزالی نے احیاء علوم الدین کے اندر ذکر فرمایا ہے فرماتے ہیں :**للمرائی ثلاث علامات: یکسل إذا کان وحدہ، وینشط إذا کان فی الناس، ویزید فی العمل إذا أثنی علیه وینقص إذا ذم۔**

ریاء کار کی تین علامتیں ہیں: جب تنہائی میں ہو تو سستی سے کام لے، اور مجمع میں نشیط اور چست بن جائے اور جب اس کی تعریف کی جائے تو عمل میں اضافہ کر دے، اور جب مذمت کی جائے تو کمی کر دے۔ (احیاء علوم الدین: ۴/۸۴)

ہمیں بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ اپنے آپ کو جانچنے کی ضرورت ہے، بعید نہیں کہ ہم بھی اسی کے شکار ہوں اگر ان اوصاف رذیلہ میں سے کوئی بھی وصف اپنے اندر محسوس کریں تو فوراً سنبھل جانا چاہئے، ندامت اور شرمندگی کے ساتھ توبہ اور استغفار کرنا چاہئے اور اخلاص جیسی عظیم الشان دولت کی رب کائنات سے بار بار توفیق مانگنی چاہئے۔ **اللھم وفقنا لما تحب وترضی**، آمین۔

مسلمانانِ ہند اور جمہوری حکومت

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ

الیکشن کا طوفان اتر چکا ہے، لوگوں کے اندازے غلط ثابت ہوئے، توقعات اور امیدوں کے خواب بکھر گئے، جو سوچا گیا تھا وہ نہیں ہوا، جو بات خیال میں نہ تھی وہ وجود میں آ گئی، تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ کا نقشہ ایک بار پھر نظروں کے سامنے آ گیا، وہ عقل ودانائی جو قرآن وحدیث کے تعلیمات سے روشن ہے وہ مطمئن ہے، وہ حکومت کو نہیں، حکومت کے زمام اختیار کو دیکھ رہی ہے کہ وہ کس کے ہاتھ میں ہے، روزِ ازل سے اللہ کا فرمان یہی ہے جسے حق تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرما کر قیامت تک اہل ایمان کی زبانوں پر جاری فرما دیا ہے، تاکہ ہر دور میں، ہر ملک میں، ہر ہر فرد یہاں تک کہ بچہ بچہ، اس فرمان کا منادی بن جائے، اور ساری دنیا میں اس کی گونج سنائی دے: قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ○ (سورہ آل عمران) تم کہہ دو! اے اللہ! اے ملک کے مالک، آپ جسے چاہیں ملک بخشیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیں، جسے چاہیں غلبہ دیں اور جسے چاہیں بے سروسامان کر دیں، آپ ہی کے ہاتھ میں خیر ہے، بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

پس حکومتوں کا ردوبدل یا اس کا قیام واستحکام سب اسی مالک الملک کے ہاتھ میں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہ تصرفات اسباب کے پردوں سے جلوہ گر ہوتے ہیں، اور یہ اسباب بظاہر بندوں کے ہاتھوں ظہور کرتے ہیں، اس لئے عام انسانی طبیعت اسباب کی تہوں میں جھانکتی اور غور کرتی ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کے پیچھے یہ نتائج نمودار ہوئے ہیں، اور ان اسباب کا کیا بہتر

سے بہتر استعمال، انسانی اختیار وتصرف میں ہے، کہ اس کے بہتر نتائج حاصل ہوسکیں۔

ہندوستان سے انگریزی سامراج نے جب سے اپنا خیمہ اکھاڑا ہے اور یہ ملک جب سے دو بلکہ تین حصوں میں تقسیم ہوا ہے، اس کے بعد سے ملک کا وہ حصہ جو ہندوستان کے نام سے نامزد ہے، جس میں تعداد کے لحاظ سے ہندو اکثریت میں ہیں، اور ان کے بعد اقلیتوں میں سب سے بڑی اقلیت مسلمان ہیں، مسلمانوں کے بعد سکھ اور عیسائی قدرے قابل ذکر ہیں، ایک بہت مختصر تعداد یہودی، پارسی، جین اور بدھ مذہب کی ہے، اس اکثریت اور ان اقلیتوں پر مشتمل ملک میں جمہوریت کی حکمرانی ہے، جمہوریت میں کسی خاص مذہب، برادری یا طبقے کی حکومت نہیں ہوتی، بلکہ ملک کے تمام تر عوام اس کی تشکیل میں فرداً فرداً حصہ لیتے ہیں، اور جس پارٹی یا طبقے کے حق میں زیادہ رائے آجاتی ہے اس کی حکومت بنتی ہے، لیکن اس حکومت پر پابندی ہوتی ہے کہ ملک کے تمام باشندوں کے خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں، مفاد کا تحفظ کرے اور ملک کی ترقیات میں انھیں بھی شریک کرے، یہ حکومتیں پانچ سال کے لئے بنتی ہیں، پانچ سال میں اگر ان کی کارکردگی اطمینان بخش ہوئی تو دوبارہ عوام کی رائے ان کے حق میں آتی ہے ورنہ انھیں تخت حکومت سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔

ہم اپنے ملک میں ہر پانچ سال پر بلکہ نظام کی خرابی اور پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلی کے الیکشنوں میں توافق نہ ہونے کی صورت میں ہر دو تین سال کے وقفے سے الیکشن کے طوفانِ برق وباراں میں تہ وبالا ہوتے ہیں۔

جمہوریت کے اس تماشے میں اور الیکشنوں کے اس طوفان میں اوروں کا جو بھی حال ہو، میں بحیثیت ایک مسلمان اپنا یعنی مسلمانوں کا محاسبہ کرنا چاہتا ہوں، میں میدانِ سیاست کا آدمی نہیں ہوں، اور نہ عملاً اس سے کوئی دلچسپی رکھتا، اور نہ اب تک اس موضوع پر کچھ لکھا ہے، لیکن اب کی بار کے الیکشن کے بعض خاص حالات نے دل ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، اس لئے بطور احتساب کے کچھ سوچتا ہوں اور کچھ لکھتا ہوں، میں دوسروں کو کچھ نہیں

کہتا، ملت اسلامیہ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

کہنے کو تو ہندوستانی جمہوریت میں متعدد مذاہب ہیں، اور ہر ایک کے ماننے والے کم وبیش موجود ہیں، اور ہندو مذہب کی اکثریت کے بعد سب کا شمار اقلیت کے دائرے میں ہے، مگر اب تک جو کچھ تجربے میں آیا ہے، اور یہی انسان کی فطری کمزوریوں کا لازمی نتیجہ بھی ہے، کہ اس ملک میں دو ہی مذہب ہیں اور دو ہی گروہ ہیں، ایک مسلم اور دوسرے غیر مسلم! جب تک مسلمانوں سے کوئی ظاہری مقابلہ نہیں ہے، غیر مسلم متعدد گروپوں میں تقسیم ہوتے ہیں، اور جب کسی بھی مفاد میں مسلمانوں سے مقابلے اور ٹکراؤ کی صورت ہوتی ہے، تو سارا غیر مسلم ''فرقۂ واحدہ'' بن جاتا ہے، تو حاصل یہ ہے کہ اس ملک میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں ہیں۔

ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے جب نجات ملی، تو یہاں کے باشندوں نے جمہوری حکومت بنائی، اور اکثریت میں ہونے کی بنا پر حکومت کی باگ ڈور غیر مسلموں کے ہاتھ میں آئی، گو کہ مسلمانوں کی بھی شرکت اس میں رہی، مگر عملاً وہ شریک مغلوب رہے، فرقہ واریت کا عفریت انگریزوں کے دور میں ہی ظاہر ہو چکا تھا، آزادی کے بعد یہ خوفناک دیو آہستہ آہستہ اپنے دست و بازو نکالتا رہا، کچھ حکمرانوں نے بھی اسے شہ دی، جمہوری حکومت کا شاید کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے جس میں فرقہ پروری اور جاہلانہ عصبیت کی پرورش نہ کی گئی ہو، اور اقلیت کے سامنے نئے نئے مسائل نہ کھڑے کئے گئے ہوں، فسادات کے ذریعہ نسل کشی و دل شکستگی، قید و بند کی بے رحمیاں، اسلامی احکام و نظریات پر حملے، مدارس سلامیہ پر شکوک وشبہات کی نگاہیں، ان پر الزام تراشیاں، یہ حالات مسلسل آتے رہے، جمہوری حکمرانوں کا یہ تشدد اور ان کا یہ نازیبا سلوک صرف مسلم اقلیت کے ساتھ نہیں، ہندوستان میں بسنے والے اور بھی طبقات کے ساتھ بھی جاری رہا، جس کے ردعمل میں حکمراں پارٹی سے بددلی عام ہوئی، اس پر جو اعتماد کیا گیا تھا وہ جاتا رہا، مسلم اقلیت کے مسائل جوں کے توں رہے، بلکہ بعض سنگین نئے مسائل کا اضافہ ہو گیا، مثلاً مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیا گیا، مسلم

نوجوانوں کو ملک دشمن تحریکات کے ساتھ وابستہ ہونے کا الزام لگا کر قتل وقید میں مبتلا کیا گیا، یہ سلسلہ روزافزوں ہے۔

مسلمان ووٹ تو ایک ہی کو دیں لیکن اخلاق وانسانیت کا برتاؤ سب کے ساتھ کریں، اصل فتح اخلاق وانسانیت کے ساتھ ہوتی ہے، بداخلاقی ،لڑائی جھگڑا، جانبداری وکذب بیانی اور بے جا اعلان بے گناہی سے کسی کی نجات نہیں ہوتی ،اور نہ ان سے کوئی غلبہ حاصل ہوتا، آدمی اللہ کا حق ادا کرے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ آسان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :**وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًاۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ** (سورہ آل عمران) اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو، تو ان کی سازش سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا، بے شک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کی قدرت میں ہے۔

اللہ کا حکم ہے تم دو کام اختیار کرو، صبر اور تقویٰ،صبر کا مطلب یہ ہے کہ ناگواریوں کے باوجود اپنے طریقے پر جمے رہنا، نہ گھبرانا، نہ طیش میں آنا، نہ میدان چھوڑ کر بھاگنا، نہ عمل کو ترک کرنا،صبر کا دوسرا نام استقلال ہے۔

دوسری بات تقویٰ ہے، تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ نقصان دہ چیزوں سے بچنا، اور یہ بچنا صرف اللہ کے احکام کی تعمیل وتکمیل اور معاصی سے اجتناب کے ذریعے ہوتا ہے، جس قدر اللہ کی فرمانبرداری ہوگی، اسی قدر اللہ کی رحمت آئے گی، کاش مسلمان اس پر کسی درجے میں عمل کر لیتے ،تو بہت کچھ کام آسان ہوجاتا ، اور دشمنوں کا کوئی داؤ فریب کارگر نہ ہوتا، جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم میں ہیں، اور ان کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان کا تار پود بکھیر کر رکھ دیں، مسلمان اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھیں، پھر ان کے راستے سے سب کانٹے صاف کردئے جائیں گے۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیزٍ

مسجد اقصیٰ کے بارے میں اَہم معلومات

مولانا مدثر جمال تونسوی
جامعۃ الصابر و مرکز عثمان و علی رضی اللہ عنھما، بھاولپور

اگر کسی مومن کو بیت المقدس کی سرزمین پر گھوڑے کی ایک رسی جتنی جگہ بھی مل جائے کہ جس کی بدولت وہ مسجد اقصیٰ کی زیارت سے مستفید ہوتا رہے تو یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، یہ مضمون ایک حدیث پاک میں بیان ہوا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک سچے مومن کے دل میں بیت المقدس کی کتنی عظمت ہونی چاہئے اور مسلمانوں کو اس بارے میں کس قدر بیدار مغز اور حساس ہونا چاہئے۔

اس موضوع پر کہنے کو بہت کچھ ہے، مگر فی الحال اس مضمون کے ذریعے مسجد اقصیٰ کے بارے میں چالیس اہم معلومات پیش کرنا مقصد ہے جن میں سے بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ بہت سے مسلمان بھی ان سے واقف نہیں ہوتے، اس موضوع پر ایک عرب صاحب علم دکتور عیسی القدومی کی تحریر جو سنہ ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی تھی، جس نے خود عرب دنیا میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی اور بیت المقدس کی آزادی کی تحریک سے روشناس کرانے اور مسلمانوں میں موجود غفلت اور ناواقفیت ختم کرنے میں اس نے کافی کردار ادا کیا۔ اللہ کرے یہ معلومات مسجد اقصیٰ سے ہمارے قلبی تعلق اور ظاہری کاوشوں کو مزید قریب تر کردیں۔

۱۔مسجد اقصیٰ ایک مکمل احاطے کا نام ہے، چنانچہ عام طور سے تصویر میں جو ایک لمبی چوڑی چار دیواری دِکھائی دیتی ہے، تو اس کے اندر جو کچھ بھی ہے، یعنی اس میں موجود دروازے، مختلف چھوٹے بڑے صحن، برآمدے، جامع مسجد، قبۃ الصخرہ، مصلیٰ مروانی، قبے، پانی

کی سبیلیں اور دیگر جو بھی تاریخ آثار اس چار دیواری میں موجود ہیں، حتی کہ اس پر موجود اذان دینے کے منارے سب ''مسجد اقصیٰ'' میں شامل ہے، یہ پوری جگہ سوائے قبۃ الصخرہ اور جامع مسجد (عوام کے ہاں عام طور سے اسی جگہ کو مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے) کے بغیر چھت کے ہے۔
چنانچہ علمائے کرام اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے اور اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو شخص اس پورے احاطے میں کہیں بھی نماز پڑھ لے تو وہ اس فضیلت کا مستحق بنتا ہے جو مسجد اقصی میں نماز پڑھنے کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔

۲-مسجد اقصی کے کئی نام ہیں جو سب کے سب اس کی فضیلت اور بلندی شان کی اظہار ہیں، بعض علماء نے اس کے بیس نام جمع کیے ہیں، البتہ مشہور نام تین ہیں: مسجد اقصیٰ، بیت المقدس اور ایلیاء۔

۳-یہ مسجد بیت المقدس شہر کے ایک ٹیلے پر واقع ہے اور یہ مسجد اس اعتبار سے دنیا کی واحد ترین مسجد ہے کہ اس کے احاطے میں جس قدر تاریخی آثار موجود ہیں وہ کسی اور جگہ موجود نہیں ہیں، اس مسجد کا کل احاطہ چالیس ہزار، ایک سو چار مربع میٹر پر پھیلا ہوا ہے۔

۴-زمین پر مسجد حرام کے بعد دوسرے نمبر پر بننے والی مسجد یہی ''مسجد اقصیٰ'' ہے۔
چنانچہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: زمین پر سب سے پہلی کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟ تو آپ نے فرمایا: مسجد حرام!۔میں نے پوچھا: پھر اس کے بعد کون سی؟ تو آپ نے فرمایا: مسجد اقصی۔میں نے پوچھا: ان دونوں کی تعمیر میں کتنی مدت کا فرق ہے؟ تو آپ نے فرمایا: چالیس سال۔'' (بخاری)

۵-یہ ایسی مسجد ہے کہ خود اس کا اپنا احاطہ بھی اور اس کا ارد گرد بھی مبارک علاقہ ہے۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے کو، رات کے ایک حصے میں اپنے

مسجد حرام سے اُس مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی، جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے، تاکہ اُسے اپنی نشانیوں میں سے کچھ دِکھائیں، بے شک وہی کامل سننے والااور کامل دیکھنے والا ہے۔(سورۃالاسراء:۱)

اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ اگراس ایک آیت کے علاوہ، اس مسجد کی فضیلت کے بارے میں اور کوئی بات بھی نہیں ہوتی، تب بھی یہی ایک آیت بہت کافی تھی، پھر جب اس کا ارد گرد مبارک ہے تو خود اس مسجد کی برکت کتنی ہوگی؟ شاید یہی وجہ ہے کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے علاوہ باقی تمام مساجد سے اس کا مقام ومرتبہ بڑھ کر ہے۔

۶-مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے۔

اس کی تفصیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنئے۔فرماتے ہیں:

ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر، سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نمازیں پڑھیں، پھر ہمارا رُخ، قبلہ بیت اللہ کی طرف پھیر دیا گیا(بخاری ومسلم)

یاد رہے کہ قبلے کی تبدیلی کے بعد بھی اس مسجد اقصیٰ کی اہمیت ختم نہیں ہوئی، بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں اور اسلامی شریعت میں پہلے کی طرح ہمیشہ کے لیے اس کی عظمت برقرار رہی ہے اور برقرار چلی آرہی ہے۔الحمدللہ

۷-نبی کریم ﷺ نے اس مسجد کی فضیلت اور عظیم شان کو بیان فرمایا ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ ہر سچے مسلمان کا دل اس کے ساتھ جُڑا رہتا ہے اور اسے براہ راست دیکھ لینا بھی اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔

حضرت ابو ذرغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اس بات کا مذاکرہ کیا کہ آیا مسجد اقصی افضل ہے یا مسجد نبوی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز، مسجد اقصی میں چار نمازوں سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے،

اور سچ تو یہ ہے کہ وہ بھی بہت ہی اچھی نماز کی جگہ ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی بندے کو اگر وہاں زمین کا فقط گھوڑے کی رسی کی جگہ جتنا ٹکڑا مل جائے کہ جس کی بدولت وہ وہاں رہ کر بیت المقدس کی زیارت سے مشرف ہو سکے تو یہ بات اس کے لیے پوری دنیا سے بہتر ہوگی“۔
(مستدرکِ حاکم۔ وافقہ الذھبی)

۸ - نبی کریم ﷺ نے اس کے فتح ہونے سے پہلے ہی اس کے فتح ہونے کی بشارت عطاء فرمائی جو ایک طرف ہمارے نبی ﷺ کا معجزہ ہے اور دوسری جانب اس مسجد کی عظمت کا نشان بھی ہے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: غزوہ تبوک کے موقع پر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت آپ چمڑے کے بنے ہوئے ایک خیمے میں موجود تھے، اس وقت آپ نے فرمایا:

یہ بات شمار کر کے رکھ لو کہ قیامت سے پہلے یہ چھ باتیں ضرور ہوں گی: (۱) میری وفات (۲) پھر بیت المقدس کی فتح (۳) پھر دو ایسی عام موتیں جو تم میں بکریوں کی وباء کی طرح پھیل جائیں گی (۴) پھر مال میں اس قدر اضافہ کہ اگر کسی کو ایک سو دینار بھی دیئے جائیں گے تو وہ اس پر بھی (کمی محسوس کر کے) ناراضی ظاہر کرے گا (۵) پھر ایک ایسا فتنہ آئے گا عرب کے کسی بھی گھر میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا (۶) پھر تمہارے اور بنو اصفر (رومیوں) کے درمیان ایک صلح کا زمانہ آئے گا، مگر وہ تم سے بدعہدی کریں گے اور تم سے لڑنے کے لیے اسی (۸۰) جھنڈوں تلے جمع ہو کر آئیں گے، ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار سپاہی ہوں گی (بخاری: ۳۱۷۶)

۹ - مسجد اقصیٰ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ طائفہ منصورہ کی قیام گاہ اور اہل ایمان کا مضبوط گڑھ ہے، یعنی اس جگہ ہمیشہ ایک جماعت ایسی رہے گی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد یافتہ اور پختہ ایمان والوں کی ہوگی۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق کی حمایت کے لیے قتال کرتی رہے گی، جو اپنے مخالفین پر غالب رہے یہاں تک کہ ان کا آخری طبقہ مسیح دجّال سے قتال کرے گا۔ (مسند احمد۔ سنن ابی داؤد۔ مستدرک حاکم۔ طبرانی)

اگر چہ یہ جماعت دنیا میں بکھری ہوئی بھی وقتاً فوقتاً موجود رہے گی مگر بیت المقدس میں یہ جماعت بہر حال رہے گی کیوں کہ دوسری حقیقت یہ ہے کہ دجال نامی فتنے کو قتل کرنے کے لیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ فلسطین کے باب لُد کے مقام پر ہی اسے قتل کریں گے، تو یقیناً اس وقت خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ موجود مجاہدین جس سرزمین پر موجود ہوں گے وہ یہی بیت المقدس اور فلسطین کا علاقہ ہے۔

۱۰ - مسجد اقصیٰ، بیت المقدس اور بلادِ شام: یہ ارضِ محشر (جمع ہونے کی جگہ) بھی ہے اور ارضِ منشر (دوبارہ زندہ کرکے اُٹھائے جانے کی جگہ) بھی۔

نبی کریم ﷺ کی باندی حضرت میمونہ بنت سعد فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! آپ ہمیں بیت المقدس کے بارے میں کچھ بتائیے! تو آپ نے فرمایا: وہ جمع ہونے اور دوبارہ جی اُٹھنے کی جگہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

۱۱ - مسجد اقصیٰ کا یہ بھی امتیاز ہے کہ اس سرزمین کے اہل ایمان دجال سے حفاظت کے لیے اس میں پناہ لیں گے اور دجال اس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

(دجال کی) ’’علامت یہ ہے کہ وہ چالیس دن زمین پر رہے گا، ہر پانی کے گھاٹ تک اس کی حکومت پھیل جائے گی، البتہ چار مسجدوں تک وہ نہیں آسکے گا: کعبہ، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور طور‘‘۔ (مسند احمد، مجمع الزوائد، رجالہ رجال الصحیح) (باقی آئندہ)

تقسیم میراث آداب واحکام

مفتی توقیر عالم قاسمی
استاذِ حدیث مدرسہ اشرف العلوم بردوان، مغربی بنگال

ترکہ: میت کا چھوڑا ہوا وہ مال ہے جس سے کسی انسان کا حق وابستہ نہ ہو، مثلاً میت کا وہ مال جو میت کے دین میں رہن رکھا ہوا ہو ترکہ میں شمار نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس سے دائن یعنی قرض خواہ کا حق متعلق ہے، یا مثلاً وہ مبیع (خریدی گئی چیز) جس کی قیمت اب تک ادا نہ کی گئی ہو اور خریدنے والا مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے مرگیا تو یہ مبیع ترکہ میں شمار نہ ہوگی؛ اس لیے کہ اس سے بیچنے والے کا حق متعلق ہے، یہ مبیع بائع ہی کی ملک ہوگی۔ (مجمع الانہر: ۲/۷۵۶)

قال فی الشامی: الترکۃُ فی الاصطلاحِ مَاتَرَکَہُ المیتُ من الأموالِ صافیاً عن تعلّقِ حقِّ الغیرِ بعینٍ من الأموالِ۔ (۵/۴۱۸)

میراث: وہ مال وجائداد وغیرہ جو مرنے والے کی طرف سے حق داروں کو ملے، یعنی ترکہ اور میراث دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

میت کی ملکیت میں جو چیز بھی تھی، خواہ بڑی ہو یا چھوٹی، جیسے روپے پیسے، زمین جائداد، گھر مکان، کپڑے اور گھریلو سامان، فیکٹری اور آلات ومشین، وغیرہ، سب ترکہ ہیں، ہر چیز میں ہر وارث کا حق ہے، کسی وارث کا کوئی خاص چیز بغیر تقسیم کے خود رکھ لینا جائز نہیں۔

آدمی کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ اور میراث کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوتے ہیں:

(۱) **تجہیز وتکفین**: مرنے کے بعد میت کے ترکہ اور میراث میں سے اس کی تجہیز وتکفین کی جائے گی، اس میں نہ اسراف اور فضول خرچی ہوگی اور نہ کمی وکوتاہی، یعنی مرد اور عورت کو کفن کے کپڑوں کی تعداد میں مسنون کفن کی رعایت کی جائے گی، مرد کے لیے تین

کپڑے اور عورت کے لیے پانچ؛ اس میں کمی بیشی نہ کی جائے اور کفن کے کپڑے کی قیمت میں بھی اسراف اور کمی نہ ہو یعنی نہ بہت بیش قیمت ہو اور نہ بہت گھٹیا؛ بلکہ وہ اپنی زندگی میں جس معیار کا کپڑا پہنتا تھا قیمت کے اعتبار سے اس معیار کا کپڑا کفن میں دیا جائے۔

اور تجہیز کے تحت میت کے مرنے سے قبر تک کی تمام ضروریات داخل ہیں۔

(۲) ادائے قرض: جہیز و تکفین میں خرچ کے بعد جو مال بچا ہے اگر میت کے ذمے لوگوں کا قرض ہے تو اس کو ادا کیا جائے اگر چہ ادائے قرض میں سارا مال ختم ہو جائے اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

اس کے بعد اگر اس پر اللہ کا دین اور حق ہے تو اس کو ادا کیا جائے گا، مثلاً اس پر زکاۃ کی ادائیگی فرض تھی اور اس نے ادا نہیں کیا اور وفات ہو گئی، یا قسم وغیرہ کا کفارہ اس پر واجب تھا اور ادا نہیں کیا تو اگر اس نے اس کو ادا کرنے کی وصیت کی ہے تو لوگوں کا قرض ادا کرنے کے بعد جو مال بچا ہے اس کی ایک تہائی میں سے اس کو ادا کیا جائے گا، بہر حال یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بندے کے دین (قرض) کو پہلے ادا کیا جائے اس کے بعد جو مال بچا ہے اس کے ثلث (تہائی) میں سے اللہ کے دَین کو ادا کیا جائے اگر اس نے اس کو ادا کرنے کی وصیت کی ہے، اور اگر اس نے وصیت نہیں کی ہے تو واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر ورثاء نے بطور تبرع اور احسان، میت کی طرف سے ادا کر دیا تو میت کی طرف سے واجب ساقط نہ ہوگا۔ (درمختار مع الشامی نعمانی: ۵/۴۸۴)

(۳) نفاذِ وصیت: اگر تجہیز و تکفین اور ادائے دَین کے بعد کچھ مال بچ جائے اور مرنے والے نے کوئی وصیت کی ہے جیسے مسجد کے لیے، یا مدرسے کے لیے، یا کسی آدمی کو دینے کے لیے وصیت کی ہے تو ما بقی مال کے ثلث (تہائی) سے اس کی وصیت نافذ کی جائے گی اور جس کے لیے اس نے وصیت کی ہے اس کو دیدیا جائے گا، یعنی اس مصرف میں خرچ کر دیا جائے گا۔

(۴) حقِ وارثین : نفاذ وصیت کے بعد جو مال بچ جائے اس کو میت کے ان وارثین کے درمیان تقسیم کردیا جائے گا جن کا وارث ہونا قرآن یا حدیث یا اجماع سے ثابت ہے۔

تنبیہ : واضح رہے کہ میت کے قرض کو ادا کرنا اور اس کی وصیت پر عمل کرنا اور وصیت کو نافذ کرنا فرض اور واجب ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بہت تاکید کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔ سورۂ نساء آیت: ۱۱، ۱۲ میں میراث کے احکام اور حصے کو بیان کرکے دومرتبہ فرمایا: **مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ** ۔ یعنی میراث کی تقسیم ہوگی وصیت کے بقدر مال نکالنے کے بعد جس کی وصیت تم کرجاؤ اور دین ادا کرنے کے بعد۔

اور ایک بار فرمایا: **مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ** ۔ تقسیم میراث ہوگی وصیت کے بقدر مال نکالنے کے بعد جس کی وصیت کی جاچکی ہے، یا اگر دین ہے تو اس کو ادا کرنے کے بعد ہی میراث تقسیم ہوگی۔

اگر دین اور وصیت نہ ہو تو تجہیز وتکفین کے بعد بچا ہوا کل مال وارثوں میں تقسیم ہوجائے گا۔

مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا: مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہ ہوگا: خواہ ان میں آپس میں کوئی بھی نسبی رشتہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لایرثُ المسلمُ الکافرَ ولاالکافرُ المسلمَ** ۔ (بخاری: ۶۷۶۴، مسلم: ۱/۱۶۱۴)

یعنی مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا۔

مرتد کی میراث کا حکم : یہ مذکورہ بالا حکم اس صورت سے متعلق ہے جب کہ پیدائش کے بعد ہی سے کوئی شخص مسلمان یا کافر ہو؛ لیکن اگر کوئی شخص پہلے مسلمان تھا پھر العیاذ باللہ اسلام سے پھر گیا اور مرتد ہوگیا (جیسے کہ مثلاً قادیانی ہوگیا)، اگر ایسا شخص مرجائے، یا مقتول ہوجائے تو اس کا وہ مال جو زمانۂ اسلام میں کسب کیا تھا، کمایا تھا، وہ اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا اور جو ارتداد کے بعد کمایا ہے وہ بیت المال میں جمع کردیا جائے گا۔

لیکن اگر عورت مرتدہ ہوگئی تو اس کا کل مال خواہ زمانۂ اسلام میں حاصل ہوا ہو یا زمانۂ

ارتداد میں ، اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا؛ لیکن خود مرتد مرد یا مرتد عورت (غلام اور باندی) نہ کسی مسلمان سے میراث ملے گی نہ کسی مرتد سے ۔(معارف القرآن :۲/۳۳۲)

قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا: اگر کوئی شخص ایسے آدمی کو قتل کر دے جس کے مال میں اس کو میراث پہنچتی ہو (جیسے بیٹے نے باپ کو قتل کر دیا، یا بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا (العیاذ باللہ) تو یہ قاتل اس شخص کے میراث سے محروم ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **القاتلُ لا یرثُ۔ یعنی قاتل وارث نہ ہوگا۔**

(ترمذی :۲۱۰۲،ابن ماجہ :۲۷۳۵)(اللباب فی شرح الکتاب، کتاب الفرائض :۴/۱۸۸)

میراثِ حمل: اگر کسی شخص نے اپنی کچھ اولاد چھوڑی اور بیوی کے پیٹ میں بھی بچہ ہے تو یہ بچہ بھی وارثوں کی فہرست میں آئے گا؛ لیکن چوں کہ یہ پتہ چلانا دشوار ہے کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، یا ایک سے زیادہ بچے ہیں؛ اس لیے بچہ پیدا ہونے تک تقسیم میراث ملتوی رکھنا مناسب ہوگا اور اگر تقسیم کرنا ضروری ہو تو سر دست ایک لڑکا یا ایک لڑکی فرض کر کے دونوں کے اعتبار سے دو صورتیں فرض کی جائیں ان دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں ورثاء کو کم ملتا ہو وہ ان میں تقسیم کر دیا جائے اور باقی اس حمل کے لیے رکھا جائے ۔(معارف القرآن :۲/۳۳۳)

معتدہ کی میراث: جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور طلاق رجعی ہے، پھر طلاق سے رجوع اور عدت ختم ہونے سے پہلے وفات پا گیا تو یہ عورت میراث میں حصہ پائے گی؛ اس لیے کہ ابھی نکاح باقی ہے۔

اور اگر کسی شخص نے مرض الوفات میں بیوی کو طلاق دی اگر چہ طلاق بائن یا مغلظہ ہی ہو اور عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے مر گیا تب بھی وہ عورت اس کی وارث ہوگی۔

اور اگر کسی شخص نے مرض الوفات سے پہلے صحت کے زمانے میں اپنی بیوی کو بائن یا مغلظہ طلاق دیدی اور اس کے چند دن بعد عورت کی عدت میں وہ فوت ہو گیا تو اس صورت میں عورت کو میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا؛ البتہ طلاق رجعی دی ہے تو وہ وارث ہوگی۔

اگر کسی عورت نے شوہر کے مرض وفات میں خود سے خلع کرلیا تو وارث نہیں ہوگی، اگر چہ اس کا شوہر اس کی عدت کے دوران مرجائے۔ (معارف القرآن: ۲/۳۳۳)

پیدائش کے وقت جو بچہ مرگیا اس کی میراث: جو بچہ زندہ پیدا ہوا، اور اس میں آثار حیات میں سے کچھ بھی پایا گیا اور اس کے بعد فوراً مرگیا تو یہ بچہ خود دوسرے کا وارث ہوگا اور دوسرا بھی اس کا وارث ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَوَرِثَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ-وَرِثَ وَوُرِّثَ- ۔(ابن ماجہ: ۲۷۵۰، سنن دارمی: ۳۱۶۹، ۳۱۶۸)

یعنی جب بچہ ولادت کے وقت آواز نکالے یعنی اس میں آثارِ حیات پائے جائیں تو اس پر جنازے کی نماز پڑھی جائے گی اور اس کے وارث ہوں گے اور ایک روایت میں ہے: وہ وارث ہوگا اور دوسرے اس کے وارث ہوں گے۔

میت پر قرض سے متعلق چند ضروری باتیں

اگر میت پر کسی کا قرض ہو اور وہ اس کو ادا نہ کیا ہو تو اس قرض کی ادائیگی کی وصیت کرنا مرنے والے پر موت سے پہلے واجب ہے، خواہ وہ قرض اللہ کا ہو یا بندے کا۔

فی المواھب: تجبُ علی مدیونٍ بما علیه للهِ تعالی أو للعبادِ۔ (شامی نعمانی: ۵/۳۱۵)

کیوں کہ دین اور قرض بندے کا حق ہے، جس کو ادا کرنا ضروری ہے، حدیث میں ہے کہ سعد بن اطول کے بھائی کا انتقال ہوا، ان کے بھائی نے تین سو دراہم میراث میں چھوڑے، انہوں نے ان دراہم کو اپنے بھائی کے اہل وعیال کے لیے رکھنا چاہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بھائی اپنے دَین میں مقید ومحبوس ہے (یعنی اس کی وجہ سے اس کی مغفرت نہیں ہو رہی ہے)، پس اس کا دَین پہلے ادا کرو: **إنَّ أخاکَ مُحْتَبَسٌ بدینه، فَاقْضِ عنه۔** (ابن ماجہ، باب أداء الدین عن المیت، حدیث نمبر: ۲۴۳۳)

اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ فَارَقَ الروحُ الجسدَ، وهُوَ برِئٌمِنْ ثَلاثٍ دَخَلَ الجنةَ، مِنَ الكبرِ، والغلولِ، والدين۔(سنن دارمی :۲۶۳۴)

جس آدمی کی روح جسم سے اس حال میں جدا ہوئی کہ وہ تین چیزوں سے بری ہے وہ جنت میں جائے گا(۱) تکبر(۲) خیانت(۳) اور قرض۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر کسی آدمی کو اللہ کے راستے (جہاد) میں قتل کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے، اور اس پر قرض ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا؛ یہاں تک کہ اس کے قرض کو ادا کر دیا جائے۔(سنن کبری للبیہقی :۱۰۹۶۳)

اور ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نفسُ المؤمنِ معلقةٌ بدَينه، حتى يُقْضَى عنه۔(سنن صغیر للبیہقی :۲۳۲۵)

اور ایک روایت میں ہے: نفسُ المؤمنِ معلقةٌ ما كانَ عليه دَينٌ۔(موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان :۱۱۵۸، دارمی :۲۶۳۳)

یعنی مؤمن کا نفس اس کے قرض کے ساتھ معلق (گرفتار) رہتا ہے (اس کی مغفرت نہیں ہوتی) یہاں تک کہ اس کے قرض کو ادا کر دیا جائے۔

بیوی کا مہر

یہ دیکھنا چاہیے کہ مرنے والے نے بیوی کا مہر ادا کیا ہے یا نہیں؟ اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو دوسرے قرضوں کی طرح اولاً کل مال سے قرض مہر ادا ہوگا، اس کے بعد ترکہ تقسیم ہوگا، اور مہر لینے کے بعد عورت اپنی میراث کا حصہ بھی میراث میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے وصول کرے گی اور اگر میت کا مال اتنا ہے کہ مہر ادا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو بھی دوسرے دیون کی طرح پورا مال قرض مہر میں عورت کو دیدیا جائے اور کسی وارث کو کچھ حصہ

نہ ملے گا۔(معارف القرآن :۲/۳۲۶)

ایک رسم بد پر تنبیہ

بعض علاقے میں شوہر جب مرجاتا ہے تو اس کو کفنانے کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے اس کی بیوی کو لوگ پکڑ کر لاتے ہیں اور اس سے اپنا مہر معاف کرنے کو کہتے ہیں اور وہ خواہی نہ خواہی معافی کے الفاظ بول دیتی ہے، اس طرح مہر معاف نہیں ہوتا، میت کو سنانا فضول ہے؛اس لیے ضروری ہے کہ میت یعنی اس کے شوہر کے ترکہ میں سے اس کے مہر کو ادا کیا جائے؛ تا کہ اس کا کچھ سہارا ہو جائے؛البتہ اگر شوہر مفلس اور قلاش ہو کر مرا ہے اور اس نے مال وجائداد کچھ نہیں چھوڑا ہے تو خود بیوی کو چاہیے کہ اپنا مہر معاف کردے؛ تا کہ اس کا شوہر اس کے دین میں محبوس اور گرفتار نہ رہے۔

خدا کی رحمت کی جھلک

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ’’اللہ تعالیٰ کی جناب میں جب کوئی بندہ توبہ واستغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خوشی تمہارے اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ ہوتی ہے جو جنگل بیابان میں اپنی سواری گم کربیٹھے جس پر اس کا سامان خورد ونوش لدا ہوا ہو اور تلاش بسیار کے بعد مایوس ہو کر کسی درخت کے سایہ میں لیٹ جائے، پھر اچانک اونٹنی اس کے پاس کھڑی مل جائے اور وہ اس کی نکیل تھام کر فرط مسرت وخوشی میں (اظہار تشکر کے طور) کہنے لگے ’’اے پروردگار! تو میرا بندہ میں تیرا رب‘‘ یہ غلطی اس سے شدت مسرت سے سرزد ہوتی ہے‘‘۔(مسلم)

حالات حاضرہ اور جھوٹ کی مروّجہ شکلیں

سید محمد اکرام الحق، کرلا ویسٹ ممبئی

کچھ نادانوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دین صرف چند فرائض و واجبات پر عمل کر لینے کا نام ہے،نماز پڑھ لی،روزے رکھ لیے،حجِّ بیت اللہ کے ساتھ ہر سال ایک عمرہ کرلیا اور زکوۃ کے نام پر کچھ رقم غریبوں اور مسکینوں کو دے کر فارغ ہو گیے، ایسے جاہلوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اِن باتوں کے علاوہ ہم سے کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں ہوگا، اِسی لیے بہت سے نمازیوں اور روزے داروں بلکہ حاجی صاحبان کو جھوٹ بولتے، مکاری کرتے، ناجائز طریقے سے تجارت کرتے، امانت میں خیانت کرتے، گالی گلوج کرتے، سودی کاروبار کرتے، رشوت خوری کرتے، ناپ تول میں کمی کرتے اور بہت سے ایسے کاموں میں مبتلا دیکھا جاتا ہے جن کی مذہبِ اسلام میں ایک ذرّے کے برابر ایک لمحہ بھر کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے لوگ نماز، روزہ اور حج وزکوۃ کا اہتمام کر کے، سر پر ٹوپی رکھ کر یا عمامہ باندھ کر اور چہرے پر ڈاڑھی سجا کر خود کو بہت بڑا متقی و پارسا خیال کرتے ہیں حالانکہ دیگر ناجائز کاموں اور حرام کاریوں میں مبتلا ہونے کے سبب یہ لوگ بدترین فاسق وفاجر ہیں۔

ذیل میں کذب بیانی (جھوٹ) کی وہ مروّجہ صورتیں بیان کی جارہی ہیں جو بدقسمتی سے مسلم معاشرے میں اِس قدر رواج پا چکی ہیں کہ بالعموم لوگ اُنھیں غلط اور ناجائز نہیں سمجھتے، بلکہ فخریہ علی الاعلان سرانجام دیتے ہیں، حالاں کہ وہ ناجائز وحرام ہیں۔

جھوٹا میڈیکل سرٹیفکٹ بنوانا: جھوٹا میڈیکل سرٹیفکٹ بنانا یا بنوانا جھوٹ میں شامل ہے، لہذا جھوٹ کی دوسری صورتوں کی طرح یہ بھی ناجائز وحرام ہے، جھوٹے سرٹیفکٹ کے فاسد جراثیم مسلم معاشرے میں اِس طرح داخل ہو چکے ہیں کہ اچھے خاصے حاجی ونمازی صاحبان بھی

اِس میں اِس طرح ملوث ہیں کہ اِس کے جھوٹ، غلط اور فراڈ ہونے کا تصور بھی اُن کے دماغ میں نہیں آتا، کمپنی سے بلا رخصت غائب ہونے والے ملازمین، اسکول و کالجز سے بلا اجازت غیر حاضر رہنے والے طلبہ و معلمین، جھوٹا سرٹیفکٹ بنوا کر اپنی کمپنی یا کالج میں اِس لیے جمع کرتے ہیں کہ مواخذہ یا تنخواہ کٹنے سے بچ جائیں، یا پھر مزید چھٹیاں حاصل کرنے کے لیے اِسے بنوا کر بھجوا دیتے ہیں، بعض حضرات تو اپنے دوست واحباب سے ایسے جھوٹے سرٹیفکٹ بنوانے کا ذکر اِس انداز سے کرتے ہیں جیسے یہ کوئی معمولی بات ہو اور اس کے جواز میں کوئی شبہ نہ ہو، حالاں کہ اِس کا جھوٹ ہونا مسلّمات میں سے ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اِس طرح کے فراڈ اور ایسی کذب بیانی سے بچنا چاہیے!

جھوٹی سفارش کرنا: جھوٹی سفارش کرنا بھی جھوٹ کی مروجہ شکلوں میں سے ایک ناجائز شکل ہے، مگر صد افسوس! کہ اِسے بھی بہت سے مسلمانوں نے جھوٹ ہونے سے خارج کر دیا ہے، اِس روحانی مرض میں لوگوں کا ایسا ابتلاے عام ہے کہ الامان والحفیظ، جاہل تو جاہل اچھے خاصے پڑھے لکھے دین دار لوگ بھی اِس میں گرفتار نظر آتے ہیں، نوکری دلانے، اسکول یا مدرسے میں داخلہ کرانے، پاسپورٹ وغیرہ سرکاری کاغذات بنوانے اور زمین و جائداد کی خریداری کے لیے دھڑلّے سے جھوٹی سفارشیں کی جا رہی ہیں، لاعلمی میں کسی کی جھوٹی سفارش ہو جائے تو خیر شرعاً جرم نہیں، مگر قصداً جان بوجھ کر جھوٹی سفارش کرنا یقیناً ناجائز وحرام ہے، شریعتِ اسلامیہ میں اِس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے لوگوں کو خدا کا خوف کرنا چاہیے اور آخرت کے سخت محاسبہ سے ڈرنا چاہیے، اس لئے کہ زبان سے نکلنے والا ہر لفظ نامۂ اعمال میں رکارڈ ہو رہا ہے، لہٰذا ہم سب کو اِس خوش نما جھوٹ سے بھی لازماً پرہیز کرنا چاہیے!

بچوں سے جھوٹ بولنا: بعض والدین اپنے بچوں کو بہلانے یا ٹرخانے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں، مثلاً چاکلیٹ یا کھلونا دلانے کا یا باہر لے جانے کا جھوٹا وعدہ کرتے ہیں اور اُس وقت اُن کے حاشیۂ ذہن میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ اُنھوں نے جھوٹ بول کر اپنے نامۂ اعمال میں ایک گناہ کا اضافہ کر لیا ہے، صحابیٔ رسول حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ

ایک دن میری ماں نے مجھے بلایا اور کہا: اِدھر آ! میں تجھے کچھ دوں گی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے غریب خانہ پر جلوہ بار تھے، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ماں سے فرمایا: تونے اِسے کیا دینے کا ارادہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میں اِسے کھجور دوں گی، یہ سن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں سے فرمایا: اگر تو اِسے کچھ نہ دیتی تو تیرے نامۂ اعمال میں ایک گناہ لکھا جاتا۔

اِس حدیثِ پاک سے ہمیں یہ سبق ملا کہ والدین پر واجب ہے کہ محض بہلانے کے لیے اپنے بچوں سے جھوٹ نہ بولیں، اُن سے وعدہ خلافی نہ کریں، بلکہ اُن سے ہمیشہ سچ بولیں، تاکہ بچوں کی دلوں میں سچائی سے الفت ومحبت اور کذب بیانی سے نفرت و بیزاری پیدا ہو۔

آج مسلم معاشرے میں پروان چڑھنے والے بہت سے بچوں کے سینوں سے جھوٹ کی برائی اِس لیے نکل چکی ہے کہ اُن کی پرورش جھوٹ اور وعدہ خلافی جیسے گندے ماحول میں ہوئی ہے، اگر بچوں کو امانت وصداقت کا پیکر بنانا ہے تو گھروں میں دینی ماحول بپا کرنا ہوگا۔

جھوٹے کیریکٹر سرٹیفکٹ کی حیثیت: آج کل جھوٹا کیریکٹر سرٹیفکٹ بنانے یا بنوانے کا بھی کافی رواج ہو چکا ہے، عوام تو خیر عوام ہے بہت سے خواص کہلوانے بھی اِس مرض میں مبتلا ہیں، شاید ہی کسی کے دل و دماغ میں اِس کی حرمت کا خیال آتا ہو، حالاں کہ جھوٹا سرٹیفکٹ حاصل کرنا یا دوسروں کے لیے جاری کرنا ''کذب ودغابازی'' کے زمرے میں آنے کی وجہ سے ناجائز ہے، کیوں کہ اِس طرح کے سرٹیفکٹ کو جاری کرنے والا کذب بیانی کرتے ہوئے اُس میں یہ لکھتا ہے کہ: مثلاً میں اِنھیں پانچ سال سے جانتا ہوں، اِنھیں پانچ سال کا تجربہ ہے، اِن کا اخلاق و کردار بہت اچھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تعجب و افسوس اُس وقت زیادہ ہوتا ہے جب مدارسِ اسلامیہ میں داخلہ لینے یا تقرری کرانے کے لیے پڑھے لکھے لوگ اِس قسم کا فراڈ کرتے نظر آتے ہیں، بلکہ بعض نادان تو اِس قسم کی حرکت کو نہ صرف یہ کہ درست بلکہ کارِ ثواب سمجھتے ہیں، **لا حولَ و لا قوۃَ الا باللّٰہ العليِّ العظيمِ**۔ ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہیے! کہ سرٹیفکٹ جاری کرنا یا اس پر دست خط کرنا ایک قسم کی گواہی ہے، سرٹیفکٹ یا تصدیق نامہ جاری کرنے والا دراصل ''گواہ'' ہوتا ہے، کسی کے بارے میں گواہی اُس وقت تک نہیں

دی جاسکتی جب تک اس کے بارے میں یقین سے معلوم نہ ہو، اور یہ ایسی معروف ومشہور بات ہے جسے ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے، لہذا بغیر علم کے کسی کے کیریکٹر وکردار کی گواہی دینا درست نہیں ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ عمل ''گناہِ کبیرہ'' ہے، کیوں کہ حدیثِ پاک میں ''**شھادۃ زُور**''، یعنی جھوٹی گواہی کو نہ صرف بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے بلکہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: ہم غلامانِ مصطفی اپنے آقا کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے، تبھی آپ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتا دوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات بولنا، آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوے تھے، جب'' جھوٹی گواہی'' کا ذکر آیا تو آپ بالکل سیدھے بیٹھ گیے اور بار بار ''شھادۃ الزور'' کے الفاظ دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہماری تمنا ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوجائیں۔ (مسلم شریف)

خودساختہ مولانا یا مفتی بننا: بعض لوگ عالم یا مفتی نہیں ہوتے یعنی باضابطہ کسی ادارے کے فارغ التحصیل نہیں ہوتے، مگر بڑے ناز وفخر سے خود کو عالم، مولانا یا مفتی کہلواتے ہیں، بلکہ اگر اُن کے نام کے آگے اِس قسم کے القاب وآداب مذکور نہ ہوں تو بڑی برہمی کا اظہار کرتے ہیں، ایسے حضرات بھی کذب بیانی کے جرم میں مبتلا ہیں، بعض شہروں میں مثلاً ممبئی میں القاب وآداب کی ایسی درگت بنی ہوئی ہے کہ الامان والحفیظ، یہاں ہر عالمانہ وضع قطع رکھنے والا کسی جید عالم یا تجربہ کار مفتی سے کم نہیں ہے، بلکہ اب حالات یہ ہیں کہ جسے بھی عالم، فاضل یا مفت کا مفتی بننا ہوتا ہے وہ بڑے شہروں کو رخ کرلیتا ہے، بعض پوسٹروں میں تو صرف مفتیانِ کرام اور مفکرانِ عظام ہی جلوہ بار نظر آتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ بعض ناہنجار قسم کے لوگ اپنے جلسوں کی جھوٹی شان بڑھانے کے لیے بعض حفاظ وقراء بلکہ بعض طلبہ کو بھی بھاری بھرکم القاب سے نوازدیتے ہیں۔

یہ تمام صورتیں کذب بیانی کے زمرے میں شامل ہیں، لہذا ناجائز ہیں، بعض حضرات

اپنے بھولے پن کے سبب ہر ڈاڑھی ٹوپے اور ہر جبے قبے والے کو عالمِ دین سمجھ لیتے ہیں بلکہ انھیں ''عالم یا مفتی صاحب'' کہہ کر پکارتے بھی ہیں، ایسے لوگوں کی اصلاح کی جائے اور بتایا جائے کہ اسلامی وضع رکھنے والا ہر شخص مفتی نہیں ہوتا، بلکہ جس غیرِ عالم کو عالم کہہ کر پکارا جائے، اُس کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ فوراً پکارنے والی کی اصلاح کرے اور آئندہ اِس قسم کے القاب کے ساتھ پکارنے سے گریز کرنے کی تلقین کرے، اگر ایسا ہو گیا تو ان شاء اللہ تعالی بہت جلد اِس قسم کی برائیاں دم توڑ دیں گی۔

عیب دار کو بے عیب اور نقلی کو اصلی بتانا: بازار و مارکیٹ میں ہر قسم کی چیزیں بیچی جاتی ہیں، بعض چیزیں عیب دار اور بعض بے عیب ہوتی ہیں، اِسی طرح بعض چیزیں اصلی جب کہ بعض چیزیں نقلی ہوا کرتی ہیں، مگر ہوتا یہ ہے کہ ہر تاجر اپنے مال کو اچھا اور ہر دکان دار اپنے سامان کو بے عیب بتاتا ہے، یہ بھی دھوکہ، فریب اور کذب بیانی کے زمرے میں آنے کی وجہ سے حرام و ناجائز ہے، بلکہ اِس کا غلط اور فراڈ ہونا ایسا واضح ہے کہ خود بیچنے والوں کو بھی اس کا اعتراف ہوتا ہے، لہذا دکان دار پر واجب وضروری ہے کہ گاہک سے جھوٹ نہ بولے، بلکہ اُسے حقیقتِ حال سے آگاہ کرے، ہاں اگر کسی مال کا نقلی ہونا یا کسی سامان کا عیب دار ہونا گاہک کو معلوم ہے تو اب اسے بتانے کی حاجت نہیں، یہ ایسا ابتلائے عام ہے کہ شاید ہی کوئی تاجر یا دکان دار اِس سے محفوظ و مامون ہو۔

ہمارے نبی حضور سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص عیب دار چیز بیچے اور اس عیب کے بارے میں وہ خریدار کو نہ بتائے [کہ اِس کے اندر یہ خرابی ہے] تو ایسا شخص مسلسل اللہ رب العزت کے غضب میں رہتا ہے اور اللہ کے فرشتے ایسے آدمی پر لگاتار لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمارے معاشرے کو ہر قسم کی کذب بیانی سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین!

وداعِ رمضان اور استقبالِ عید

انتخاب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ماہِ مبارک اپنی تمام رعنائیوں، بہاروں اور رونقوں کے ساتھ تیزی سے رخصت ہو رہا ہے، مبارک ہو اُن اہل ایمان کو جنہوں نے گرم روزوں کے ذریعے اپنے دل کو ٹھنڈا کیا اور انعاماتِ الٰہی کے حق دار بن گئے، مبارک ہو اُن اہل قرآن کو جنہوں نے رات کے طویل قیام میں تھکاوٹ برداشت کر کے ہمیشہ کی راحت حاصل کر لی، مبارک ہو اُن دین کے علمبرداروں کو جنہوں نے اس ماہِ مبارک گلی گلی، قریہ قریہ، شہر شہر، بستی بستی غزوۂ بدر اور فتح مکہ کی دعوت امت تک پہنچا کر ہزاروں لوگوں کے ایمان کو محفوظ کر لیا، مبارک ہو اُن رب کے عاشقوں کو جنہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر دس دن کیلئے' رب کے گھر کو ہی اپنا گھر بنا لیا، کتنا مہربان میزبان ہے اور کتنے خوش نصیب مہمان ہیں۔

مبارک ہو اُن سب کو جن کے دامن نیکیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور اُن کا یہ رمضان بھی زندگی کا ایک یادگار اور قیمتی رمضان بن گیا ہے، باقی رہ گئے ہم جیسے بے کار اور گنہگار تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسے پر اُس کی بارگاہ میں بصد عاجزی وانکساری یہی عرض کر رہے ہیں:

گرچہ میں بدکار و نالائق ہوں اے شاہ جہاں	پر ترے در کو بتا اب چھوڑ کر جاؤں کہاں

کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے

کش مکش سے ناامیدی کی ہوا ہوں میں تباہ	دیکھ مت میرے عمل، کر لطف پر اپنے نگاہ

یا رب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے

چرخِ عصیاں سر پہ ہے، زیرِ قدم بحرِ اَلم	چار سو ہے فوجِ غم، کر جلد اب بہرِ کرم

کچھ رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے	اور تکیہ زُہد کا ہے زاہدوں کے واسطے

ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

نَے فقیری چاہتا ہوں نَے امیری کی طلب	نَے عبادت نَے ورع نے خواہشِ علم وادب

دردِ دل پر چاہیے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش وفکر اور نعمائے دنیا بے شمار	کی عطا تو نے مجھے، پر اب تو اے پروردگار

بخش ، وہ نعمت جو کام آئے سدا کے واسطے

حد سے ابتر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا	کر میری امداد ،اللہ وقت ہے امداد کا

اپنے لطف و رحمت بے انتہاء کے واسطے

گو میں ہوں اک بندۂ عاصی غلام پُر قصور	جرم میرا حوصلہ ہے نام ہے تیرا غفور
تیرا کہلاتا ہوں میں جیسا ہوں اے رب شکور	انت شاف انت کاف فی مہمات الامور

انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل

یہ پُر اثر مناجات ،حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ فضائل رمضان کے آخر میں لکھے ہیں۔

رمضان المبارک کے بعد ڈر اس بات کا ہوتا ہے کہ شیطان کے آزاد ہوتے ہی ہماری ساری نیکیاں اور محنت ضائع نہ چلی جائیں،اس مہینے کی محنتوں، قربانیوں اور نیکیوں کے صلے میں اہلِ ایمان کو عید الفطر کا انعام ملتا ہے،عید کا لفظ ہی ایسا ہے کہ زبان پر آتے ہی منہ میں مٹھاس اور طبیعت میں بشاشت پیدا ہو جاتی ہے۔

ویسے تو دنیا میں سب لوگ ہی اپنے تہوار مناتے ہیں اور ہر سال کسی خاص دن میں اپنی خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار کرتے ہیں لیکن اہلِ اسلام کی عید میں اور غیروں کی عید میں آسمان زمین کا فرق ہے، دوسری قوموں کے ہاں عید کا مطلب صرف موج مستی اور عیاشی ہے، اُن کے تہوار صرف اسی سوچ پر مبنی ہوتے ہیں کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ نفس پرستی کر لی

جائے اور خوب مزے اڑا لیے جائیں، اسی لیے وہ اپنے خوشی کے تہواروں پر کسی روک ٹوک یا کسی پابندی کے قائل نہیں۔

اس کے برخلاف مسلمانوں کی جو دو سالانہ عیدیں ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ، دونوں ہی کو خاص اعمال کے بعد مقرر فرما کر اُن میں ایک خوبصورت اور ایمان افروز نظریہ سمو دیا گیا ہے، عید الفطر کا انعام تب نصیب ہوتا ہے، جب مسلمان پورے ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بھوک پیاس برداشت کر کے روزے جیسی عبادت سرانجام دیتے ہیں، اسی طرح عید الاضحیٰ تب منائی جاتی ہے، جب دنیا بھر سے آئے مسلمان حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری وجود میں آتی ہے، جس میں امیر و غریب، حاکم و محکوم، بادشاہ و رعایا، عرب و عجم اور مشرق و مغرب کی کوئی تفریق نہیں ہوتی، پھر ساتھ ہی اس عید میں ساری دنیا کے صاحبِ حیثیت مسلمان قربانی کا عمل ادا کرتے ہیں، جو خود سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونے کی حیثیت سے ایک بہت عظیم ایمانی اور روحانی پیغام ہے۔

مسلمانوں کی دونوں عیدیں جب شروع ہوتی ہیں، تو اُس دن کا آغاز دو رکعت نمازِ عید واجب سے ہوتا ہے اور مسلمان یہ نماز ادا کر کے اس بات کا عملی اظہار کرتے ہیں کہ ہماری عید صرف وہ ہی ہے، جس میں ہمارے رب تعالیٰ جل شانہ کی خوشنودی اور رضامندی ہو، جس بندے سے اُس کا خالق و مالک ناخوش ہو، اُس کیلئے بھلا خوشی کا کیا مطلب اور مسرت کا کیا موقع ہے۔

اسلام نے خوشی اور مسرت کے اظہار سے منع نہیں کیا اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ دینی زندگی اختیار کرنے کا مطلب صرف خشک مزاجی اور روکھا پن ہے تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرے، جہاں اُسے زندگی اپنی تمام تر حقیقی رعنائیوں اور خوبصورت رنگینیوں کے ساتھ نظر آئے گی، خوش مزاجی، دائمی تبسم، خندہ پیشانی، بامعنیٰ اور برمحل تبصرے اور پُرلطف جاندار جملے، یہ سب کچھ اُس نبئ رحمت صلی اللہ علیہ کی سیرت کے ہر ورق پر ہمیں مل جائے گا، جنہیں قیامت تک کے انسانوں کیلئے ”اسوۂ حسنہ“ قرار دیا گیا ہے۔

البتہ اسلام نے ایسی تفریحات سے ضرور روکا ہے جو معاشرے میں خرابیوں کے جنم لینے کا باعث بنیں یا اُن سے کسی قسم کی اخلاقی بے راہ روی پیدا ہو، اسلام نے جن کاموں پر پابندی عائد کی جیسے شراب نوشی، جُوا، مرد وزن کا اختلاط اور دیگر ایسے تمام فواحش ومنکرات، تو اس پابندی میں ہی انسانی معاشرے کی بقاء اور صلاح پوشیدہ ہے، جب بھی انسانوں نے ان پابندیوں کو توڑ کر آزادی کا مظاہرہ کیا تو نتیجے میں ایسے اخلاقی بگاڑ اور انسانی بحران پیدا ہوئے کہ انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔

تعجب تو اُن لوگوں پر ہے جو اپنے جیسے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے احترام کو تو ضروری گردانتے ہیں اور یہ پابندیاں اُنہیں ایک انسانی معاشرے کی اصلاح کیلئے ضروری معلوم ہوتی ہیں، لیکن جوں ہی ایسے لوگوں کے سامنے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کسی پابندی کا تذکرہ کیا جائے جو کسی انسان کی طرف سے نہیں، بلکہ ہم سب کے خالق و مالک اور نفع ونقصان کو جاننے والے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کی گئی ہو تو اُنہیں قسما قسم کے اعتراضات سوجھنے لگتے ہیں، ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں:

ولاتکونوا کالذین نسوا اللہ فانسھم انفسھم اولئک ھم الفسقون

اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنا آپ بھلا دیا، ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں (الحشر)

اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ آج وہ معاشرے جو خدائی پابندیوں سے آزاد اور وحیٔ الٰہی کی راہنمائی سے محروم ہوئے، وہاں اخلاقی قدروں اور انسانی اعلیٰ روایات تک کا جنازہ نکل چکا ہے، ایسی ایسی اخلاقی اور معاشرتی برائیاں اور خرابیاں جنم لے رہی ہیں کہ اُن کو تحریر میں لانے کی سکت نہیں ہے، اہلِ وطن کو یورپ اور امریکہ کے عشق میں مبتلا کرنے کے لیے وہاں کی صرف ظاہری خوبیوں کو بیان کیا جاتا ہے لیکن جو لوگ ایمان کی نگاہوں سے خود وہاں کی سوسائٹی کو دیکھ کر آئے ہیں وہ جب اُن کا کھوکھلا پن اور حد سے بڑھی ہوئی بے راہ روی اور مادر پدر آزادی، رشتوں کی بے اعتباری اور انسانیت کی توہین وتذلیل کے واقعات سناتے ہیں تو انسان کانوں کو

ہاتھ لگانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

اسلام سے قبل دور جاہلیت میں اہل مدینہ دو تہوار مناتے تھے جو جاہلی مزاج و تصورات اور جاہلی روایات کے آئینہ دار ہوتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان قدیمی تہواروں کو ختم کر کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرمادیئے جو اس کے دینی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کی پوری آئینہ دار ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا: ہم جاہلیت میں (یعنی) اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ (اب یہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر۔ (سنن ابی داؤد)

اس لیے ہمیں اپنی عید کے موقع پر ایسے کام نہیں کرنے چاہئیں جس سے وہ اللہ ناراض ہوں جنہوں نے ہمیں یہ خوشی کا دن عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان المبارک کے بقیہ دن اور راتیں قدردانی کے ساتھ گزارنے کی توفیق عطاء فرمائیں اور اس عید کو پوری امت مسلمہ کے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین ثم آمین)

یہ حقیقی عید نہیں ہے

محمد صابر حسین ندوی

عصر حاضر میں مسلمانوں کی حالت دگر گوں ہے، دنیا کا ہر خطہ اور ہر کونہ ان کی پسماندگی و بے یاروی پر گواہ ہے، کیا مشرق اور کیا مغرب؟ دشت و جبل بھی روند ڈالئے، سات سمندر بھی عبور کر جائیے، اور ہو سکے تو جملہ صحراؤں کی بادیہ پیمائی کر جائیے، ممکن ہو تو ہفت اقلیم سر کر لیجئے؛ تب بھی کوئی چھوٹا سا قطعہ بھی اسلامی روح اور صدفیصد مسلم معاشرہ، غلبہ وفوقیت اور برتری، اسلامی تعلیمات اور قرآنی دستور کے ساتھ حیات و ممات کی گنجائش پر ملنا مشکل ہے۔

ہندوستان، پاکستان، بنگلادیش اور افریقی ممالک میں بھی مسلمانوں کی صورت حال ناقابل بیان ہے، معاشی بدحالی نے کفر تک پہونچا دیا ہے، آپسی محبت واخوت اور خاندانی نظام میں غیر اسلامی جراثیم نے پیر پسار لئے ہیں، ہر وقت کسی اجنبی حملہ ور کے حملہ کا خطرہ لگا رہتا ہے، عورتیں گھریلو عتاب کی اس قدر شکار ہیں؛ کہ عالمی میڈیا نے بھی اسے موضوع سخن بنا رکھا ہے، اس سے زیادہ ان کی عفت وعصمت پر بھی ہمیشہ تلوار لٹکتی رہتی ہے، ہر آن کسی درندے کی درندگی اور کسی ہوس پرست کی ہوس پرستی کا خوف مسلط رہتا ہے، انہیں کبھی خاص دائرہ میں محدود کرنے اور خاندانی سسٹم میں اگر مقید کرنے کوشش کی جاتی تھی؛ تو وہیں آج وہ بازاروں اور گلیاروں کی زینت بن چکی ہیں، بے پردگی، موسیقی، رقص وسرور اور مغربیت کی کشش انہیں خوب بھانے لگی ہے، رہ رہ کر آزادی کے نام پر تعلیمات اسلامی کے رخسار پر زوردار طمانچہ لگانے، اور اپنے گردن سے اسلامی زیب اتار پھینکنے پر مصر رہتی ہیں، تو وہیں بالعموم ان میں سوجھ، بوجھ اور فہم وفراست عنقا ہو چکی ہے، غلط پالیسیوں اور

منصبوں نے کہیں کا نہیں چھوڑا ہے، ان کے آپسی اختلافات اور فکری و مذہبی انتشار نے سونے پر سہاگا کا کام کیا ہے، ان کے رہے سہے تعلیم یافتہ طبقہ کا حال یہ ہے؛ کہ وہ ایک دوسرے پر تحقیقی اعتراضات کم ذاتی چھینٹا کشی اور تہمت کا سلسلہ طویل ترین ہوتا جاتا ہے، مذہبی فرقہ واریت پر چار چاند لگاتے ہوئے، ہندوؤں اور بودھ سماج کی متعصّبانہ ومتشددانہ سوچ اور دیگر مذاہب کی اسلام دشمنی قابل نظر رخ اختیار کرلیا ہے، ایک طرف اسلامی اقدار تو دوسری طرف خود اسلام کی بقاوتحفظ کا مسئلہ بھی سنگین ہو چلا ہے۔

یہ سنگینی صرف ایشائے وسطی اور ایشائے اقصی میں نہیں ؛ بلکہ مغربی مما لک میں بھی ہے، اندلس کی تقریباسات سوسالہ عظیم الشان اسلامی حکومت اور دارالسلطنت قرطبہ کے جاہ وجلال کی رخصتی نے اسلام کو اجنبیت سے دوچار کردیا ہے، مسلماں اقلیت کی سانس لے رہے ہیں، سیاسی وتمدنی اور ثقافتی معاملات پر ان کا زور نہیں ہے، تو وہیں مشینی ترقیات نے جدید فقہی مسائل کا انبار لگا دیا ہے، جو طلب حکم کے ساتھ علماء وفقہاء کیلئے چیلینج بنے ہوئے ہیں، یہودی وصہیونی تشدد اور کید ومکید کی انتہا نہیں، اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور اسلامی شعائر کا استیصال کرنے پر آمادہ ہیں، سازشوں ایک مضبوط جال بنا ہوا ہے، الیومینیٹی ، اور دجالیت کو فروغ دیا جارہا ہے، مسیح کی مسیحائی چھوڑ کر دجال کے استقبال کی تیاریاں کی جارہی ہیں، اس کی آمد اور مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے اور انہیں غزوہ بنو قریظہ وخیبر کی پسپائی کا بدلہ دینے کیلئے پر عزم ہیں، ان کے نوجوان آج بھی خیبر کی شکست اور اس کے خلاف اپنی مرضی کا اعلان کررہے ہیں، شائد یہی وجہ ہے کہ انہون نے اسلامی مما لک کو پھر سے استعماری پنجوں میں جکڑنے اور ان کی گردنوں میں غلامی کا طوق وسلاسل ڈالنے پر بضد ہیں، افغانسان کی بربادی، پاکستان پر دوہری نگاہ، مصر، لیبیا اور سعودی عربیہ جیسے مما لک کو تہس نہس کردینے، اور نئی پنپتی اسلام حامی طاقتوں (ترکی،قطر وغیرہ) پر پابندیاں

لگوا کر یا بغاوت کا شعلہ بھڑکا کر انہیں داخلی وخارجی جنگوں کی بھٹی میں جھونک دینے کی حقیقت بھی یہی ہے؛ کہ ان مبارک بقعہ ہستی سے اسلام بے دخل کر دیا جائے۔

آپ عالم انسانی کا غائرانہ نہ سہی طائرانہ جائزہ لیجئے! اور اسلامی اخلاق وتعلیمات اور مسلمانوں کی کیفیت پر غور کیجئے! تو ایسے ایسے مسائل منہ پھاڑے کھڑے نظر آئینگے؛ کہ قواء و اعضاء مضمحل اور ذہن منتشر ہوجائے گا، حالت یہ ہے کہ نہ ان کا تمدن محفوظ ہے اور ناہی ان کی ثقافت کی کوئی حیثیت ہے، ان کے جوانوں کو دہشت گردی کے الزام میں پس زنداں کیا جارہا ہے، ان کی اسلامی جماعتیں خواہ وہ علاقائی وملکی ہوں یا عالمی؛ ہر دوصورت میں انہیں سوتیلے پن کا سامنا ہے، ان میں تفرقہ وانتشار پیدا کیا جاتا ہے، اور پوری کی پوری جماعت کو مشکوک ومتہم بنا کر اس کی وقعت پر سوالیہ نشان لگا دیا جاتا ہے، سچ کہئے! تو یہ سب گویا اس شعر کی تعبیر ہیں:

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

تاہم آپ کن کن حالات کا رونا روئینگے، کن کن مصائب اور حوادث کو شمار کروا جائے، واقعہ تو یہ ہے کہ سارا کا سارا جسم چھلنی ہے، اور درد خود حیراں ہے کہ کہاں سے اٹھے، اب ان حالات میں عید کی خوشیاں منانے اور جشن کے چراغان کرنے سے زیادہ غور وفکر کرنے اور صحیح منصوبہ بندی کرنے نیز خود احتسابی کی ضرورت ہے، غلطیوں اور کوتاہیوں پر گرفت کرنے اور آئندہ کیلئے منشور تیار کرنا ہی اصل ہے، دہشت گردی کے خلاف متحد ہونے اور اسلام مخالف عالمی میڈیا کے خلاف محاذ آرائی کرنے؛ نیز مضبوط معیشت کی اشد ضرورت ہے، اتحاد و اتفاق اور تنوع میں توافق پیدا کرنے، اخلاقی وفکری اصلاح کرنے؛ نیز ہمدردی وانسانیت کا درس عام کرنے اور باطل طاقتوں کے خلاف بلاتفریق مذہب اٹھ کھڑا ہونا ہی وقت کی آواز ہے، حقیقت یہی ہے کہ جب تک اسلامی تعلیمات کی بادنسیم نہ چلے اور عہد اولیں کی یاد تازہ نہ

ہوجائے ، جب تک اسلام کی حقیقی علو و برتری نہ ہوجائے اور اس کے صدقہ میں انسان نوازی عام نہ ہوجائے ، اور انسانیت ظلم کے دہانے سے نکل کر محبت کے چمن کی سیر نہ کرلے؛ تب تک ہماری عید، عید نہیں، اور اسے سوائے من عند اللہ وقتی انعام کے کوئی حیثیت نہیں۔

یاد رکھئے! ہماری حقیقی عید یہ نہیں کہ ہم نئے کپڑے زیب تن کرلیں، سرمہ، عمامہ اور مسواک کا اہتمام کرکے دوگانہ ادا کرلیں، مٹھائیاں کھا کر، بغل گیر ہوکر اور ایک دوسرے کو تہنیت پیش کرکے، یا سیر وسیاحت کے ساتھ پورا دن گزار لیں؛ بلکہ ہمیں اس حقیقی عید کا انتظار ہے، جس دن ہمارے دل بھی صاف وشفاف اور آئینہ کے مثل ہوں، ہمارے بچے، بوڑھے، عورتیں اور غرباء وفقراء میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے، ہر ایک کے زیر لب تبسم نظر آئے، فقر وفاقہ کسی کے در پر دستک نہ دے، ظالموں کی نگاہیں جھک جائیں، اسلام کا پھریرا اطراف عالم میں پورے آب وتاب کے ساتھ لہرائے، عدل وانصاف میں غیر جانبدارانہ پہلو اختیار کیا جائے، ظلم وبربریت کی کلائی مروڑ دی جائے، ہر وہ عناصر جو محبت ومودت اور آپسی اتفاق پر انگشت نمائی کریں، یا اسلام کے کسی ادنی پہلو پر بھی ابر وبھنویں بنائیں؛ ان کے لئے روئے زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگ کردی جائے، سیرت طیبہ اور خود ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کا عزیز ترین سامان ہوجائے، ان پر جان نثاری کا عالم یہ ہو کہ چشم فلک بھی رشک کرے؛ الغرض جس دن فرشتوں کے احتمالات پر ’’انی اعلم مالا تعلمون‘‘ کا حقیقی اطلاق ہوجائے، توسمجھ لیجئے! وہی ہماری حقیقی عید اور حقیقی جشن وخوشی ہے، ہمیں اس دن کا اور اس عید کا انتظار رہے گا۔

طابع وناشر وایڈیٹر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

لاڈلوں کی تربیت کیجیے

مولانا محمد جہاں یعقوب

خاتم المرسلین شفیع المذنبین رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد اور گھر والوں والوں کو خیر سکھاؤ اور بادب بناؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ، اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے اہل بیت کی محبت اور قرآن کریم کی تلاوت۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے کہ ہم اپنی اولاد کی بہتر تعلیم وتربیت کریں، یہی ان کے لیے سب سے قیمتی تحفہ وعطیہ ہے، کیوں کہ ہر تحفہ، ہدیہ اور جائیداد وغیرہ جو ہم اپنی اولاد کو دیں گے وہ اس دنیا تک محدود اور ایک دن ختم ہو جائے گی، لیکن صحیح تعلیم وتربیت ایسی لافانی وباقی رہنے والی چیز ہے، جس کا فائدہ ہماری اور ہماری اولاد کی زندگی ہی تک نہیں، بلکہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا، کیوں کہ اولاد کی تربیت سے کئی نسلوں کی تربیت وابستہ ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی صادق نے اچھی اولاد کو صدقہ جاریہ میں شمار فرمایا ہے۔

بچپن کی تربیت کی ایک جھلک ذیل کے واقعے میں دیکھی جاسکتی ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے: جب میں چھوٹا بچہ تھا تو ماں باپ نے میرے لیے ایک چھوٹا سا خوب صورت تکیہ بنا دیا تھا، جیسا کہ عام طور پر بچوں کے لیے بنایا جاتا ہے، مجھے اس تکیہ سے بڑی محبت تھی اور ہر وقت اس کو اپنے ساتھ رکھتا تھا، ایک دن میرے والد صاحب لیٹنا چاہ رہے تھے، ان کو تکیہ کی ضرورت پیش آئی تو میں نے والد صاحب سے کہا کہ ابا جی! میرا تکیہ لے لیجیے، یہ کہہ کر میں نے اپنا تکیہ ان کو اس طرح پیش کیا جس طرح کہ میں نے اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا ہو، لیکن جس وقت وہ تکیہ میں نے پیش کیا اسی وقت والد صاحب نے مجھے ایک چپت رسید کی اور فرمایا: ابھی سے تو اس تکیے کو اپنا تکیہ کہتا ہے، مقصد یہ تھا کہ تکیہ تو

درحقیقت باپ کی عطا ہے، لہٰذا اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنا قرار دینا غلط ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس وقت تو مجھے بہت برا لگا کہ میں نے تو اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا تھا، اس کے جواب میں باپ نے ایک چپت لگا دی، لیکن آج سمجھ میں آیا کہ کتنی باریک بات پر اس وقت والد صاحب نے تنبیہ فرمائی تھی اور اس کے بعد سے ذہن کا گویا رخ ہی بدل گیا۔

اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ کو نظر رکھنی چاہیے، تب جا کر بچے کی تربیت صحیح ہوتی ہے اور بچہ صحیح طور پر نکھر کر سامنے آتا ہے۔

مفتی اعظم بغداد علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا، جس نے اپنی اولاد کی تربیت میں کوتاہی کی، عرب دانش مندوں کا کہنا ہے: صرف وہ یتیم نہیں جس کا باپ مرجائے، بلکہ وہ بھی یتیم ہے جسے دینی علوم وادب سے محروم رکھا گیا ہے۔

دورحاضر کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم اس جانب توجہ دینے کے لیے تیار ہیں اور نہ ہی آمادہ اور اگر کسی کی اس جانب توجہ ہے بھی تو وہ اولاد کی تربیت اسلامی اصولوں کی بجائے مغربی طرز پر کر رہا ہے، جدھر دیکھیے غیروں کی نقالی کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، یہ انداز تربیت زہر قاتل ہے، کیوں کہ جس تہذیب پر آج کا مسلمان ریجھتا ہے، خود وہ مائل بہ خودکشی ہے، ایسی شاخ نازک پر بننے والے آشیانے کی پائیداری کی توقع رکھنا عبث ہے۔

ہم اپنے بچوں اور نئی نسل کی تربیت و پرورش سے غافل ہیں، ہماری بے التفاتی نے انہیں میڈیا کے حوالے کر دیا ہے اور دجالی میڈیا ان کی منفی ومخرب اسلام واخلاق خطوط پر پرورش میں شیطان کی طرح دن رات ایک کیے ہوئے ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کی درخشندہ روایات اور تابناک ماضی سے یک سرناواقف ونابلد، بلکہ ان سے باغی وشاکی اور مغرب و یورپ کی مادر پدر آزاد تہذیب کی بدترین غلامی میں مبتلا ہے، اس کی وجہ ان کو ملنے والی

صحبت ہے، ایک طرف عصری تعلیمی اداروں کا مغرب زدہ ماحول، اوپر سے میڈیا کے ذریعے دیا جانے والا سلو پوائزن، جس کے اثرات سامنے اور روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

والدین کا فریضہ ہے کہ وہ بچے کے دوستوں پر نظر رکھیں، اسے بری صحبت سے اور ڈش، وی سی آر، ویڈیو گم، انٹرنیٹ وموبائل کے منفی وبے جا استعمال وغیرہ سے بچائیں، وہی والدین اولاد کی صحیح تربیت کر سکتے ہیں جو اس جانب ابتدا سے توجہ دیتے اور اولاد کی نگرانی کرتے ہیں، آج والدین اپنی اولاد کی نافرمانی کا شکوہ تو کرتے ہیں، مگر یہ نہیں سوچتے کہ اس میں اصل قصور ان کا اپنا ہے، اگر وہ بچوں کی درست تربیت کرتے، انہیں شروع سے ہی دینی تعلیمات، اخلاقی اقدار، رشتوں کے تقدس اور اپنوں بے گانوں کے حقوق سے روشناس کراتے، بری صحبت سے بچانے کا اہتمام کرتے، تو آج وہ بڑھاپے میں والدین کے لیے دردسر بننے کے بجائے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنتے، ان کی خدمت کرتے، انہیں راحت پہنچاتے، ان کی نیک نامی کا ذریعہ بنتے، کیوں کہ اچھی فصل اچھے برگ وبار لاتی ہے اور جھاڑ جھنکاڑ کاشت کیے جائیں تو وہ ویسا ہی نتیجہ دیتے ہیں۔

آئیے! عزم کریں کہ ہم اپنی اولاد کو دجالی میڈیا کی بھینٹ چڑھنے نہیں دیں گے اور ان کی دینی خطوط اور صحیح نہج پر صحیح تربیت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

فتاوی

انتخاب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟

جس شخص میں تین شرطیں پائی جائیں اس پر صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے:

(۱) مسلمان ہو، کافر پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ (۲) آزاد ہو، غلام پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔

(۳) اپنے قرضے اور اصل ضروریات اور اہل وعیال کی ضروریات کے علاوہ نصاب کا مالک ہو۔

س : کسی نمازی نے نماز کی نیت سے پہلے کرتے کی آستین کچھ اوپر چڑھالی، بڑھے ہوئے پاجامہ کو موڑ لیا پھر نماز پڑھی تو کیا ایسا کرنے سے نماز نہیں ہوگی اور اگر ہوگی تو مکروہ تو نہیں ہوگی اس سلسلہ میں اصل کیا ہے، تحریر فرمائیں؟

ج : آستین اگر اس قدر چڑھائی کہ کہنیاں کھل گئیں اور اسی حال میں نماز پڑھی تو نماز مکروہ ہوگی اگر کلائی اور کہنیاں نہ کھلی ہوں تو مکروہ نہیں۔ پاجامہ یا پائینچا موڑنے سے نماز مکروہ نہ ہوگی۔

س : بازار میں عام لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر کاروبار شروع کرتے ہیں جب وہ کامیاب ہوتے ہیں، تو اس جگہ کو فروخت کرتے ہیں، یا کرایہ پر دیتے ہیں چونکہ یہ جگہ عام طور پر دکان کے سامنے ہوتی ہے تو دکان دار اس کو کرایہ پر دے دیتے ہیں۔

تو کیا ازروئے شرع متین مذکورہ جگہ کی خرید فروخت کرنا یا اس کو کرایہ پر دینا درست ہے یا نہیں؟

نوٹ : یاد رہے کہ یہ جگہ حکومت کی ملکیت میں ہوتی ہے کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔

ج : یہ جگہ چونکہ حکومت کی ہے لہٰذا اس کو فروخت کرنا، کرایہ پر دینا جائز نہیں، اسی طرح دکان دار کے لیے بھی اس کو کرایہ پر لینا درست نہیں ہے۔

ہ